قال اللہ تعالے

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً

تجوید کے ضروری اور اہم مسائل پر مشتمل ایک جامع رسالہ

جَمَالُ الْقُرْاٰنْ

مَعَہ حَاشِیَہ

اِیْضَاحُ الْبَیَانْ

مَتن

حکیم الامۃ حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ

شیخ التجوید استاذ الاساتذہ حضرۃ قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ

قال اللہ تعالےٰ

وَرَتِلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً

تجوید کے ضروری اور اہم مسائل پر مشتمل ایک جامع رسالہ

جَمَالُ الْقُرْاٰنْ

مَعَہ حَاشِیَہ

اِیْضَاحُ الْبَیَانْ

مَتن

حکیم الامۃ حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حاشِیہ

شیخ التجوید اُستاذ الاساتذہ حضرۃ قاری محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیشِ لفظ

(از محشی)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ رسالہ جمال القرآن مصنفہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ تجوید میں جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہے وُہ محتاجِ بیان نہیں۔ سالہاسال سے یہ رسالہ پاک و ہند کے مدارسِ تجویدیہ نیز مدارسِ عربیہ کے شعبہ ہائے تجوید میں داخلِ نصاب چلا آرہا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ مصنف رح کا خلوص اور ان کا علمی مقام ہے۔ اور پھر اس کتاب کی زبان کا عام فہم اور آسان ہونا یہ دوسری وجہ ہے کتاب کی مقبولیت کی لیکن پھر بھی اس میں کچھ مضامین ایسے تھے جو قابلِ وضاحت اور تشریح طلب سمجھے گئے۔ اس لیے اصحابِ علم نے اس پر متعدد حواشی لکھے جو بہت ہی مفید اور مشعلِ راہ ثابت ہوئے لیکن اہلِ بصیرت پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ زمانہ جتنا آگے کی طرف بڑھتا جا رہا ہے اتنی ہی سمجھنے سمجھانے کی صلاحیت کم اور علمی استعداد ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ پیشِ نظر رسالہ پر ایک نیا حاشیہ لکھا جائے جو آسان بھی ہو اور مفصل بھی۔ تاکہ دورِ حاضر کے منتہیین اور ابتدائی متعلمین اس سے استفادہ کر کے رسالہ ہذا کے مضامین کو کماحقہٗ سمجھ سمجھا سکیں۔ یہی مقصد ہے اس کوشش کا اور بس۔ اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ حاشیہ کے مضامین عام فہم اور سلیس عبارت میں بیان ہوں اور اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ متن میں کوئی جگہ ایسی نہ رہ جائے جس کی وضاحت کرنا ضروری ہو اور نہ کی جائے۔ اور اسی مناسبت سے اس حاشیہ کا نام **ایضاح البیان** تجویز کیا گیا ہے اور اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ رسالہ **جمال القرآن** عام طور سب سے زیادہ پڑھایا جاتا ہے۔ اس لیے حاشیہ میں زیادہ تر متنِ کتاب کو ہی حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور فن سے متعلقہ مشکل مباحث کو حتی الامکان نہیں چھیڑا گیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس کوشش کو قبول فرما کر طالبینِ فن کے لیے نافع اور محشی کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

واللہ الموفق والمعین۔

نوٹ:

جس طرح مؤلف نے متن کے مضامین کو لمعات میں تقسیم فرمایا ہے۔ اسی طرح حاشیہ میں بھی لمعات قائم کر دیے گئے ہیں اور ناظرین کی سہولت کی خاطر حاشیہ میں نمبر بھی لمعات ہی کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ صفحات کے اعتبار سے نہیں لگائے گئے۔

شکریہ معاونین:

میں اس موقع پر ان احباب اور مخلصین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس حاشیہ کی تالیف کے وقت کسی حیثیت سے بھی میری مدد فرمائی یا اس کی طباعت کے لیے کوشش کی۔ حافظ محمد یار سرگودھوی۔ حافظ مولوی عبد اللطیف ملتانی۔ قاری تقی الاسلام لاہوری مولوی حمید الرحمٰن ہزاروی اور حافظ مولوی محمد یوسف ملتانی اور قاری سراج احمد خانپوری یہ سب دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت خلوص اور بڑی محنت کے ساتھ کتابت مسودہ کی خدمت انجام دی۔

فَجَزَاهُمَا اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

العبد الضعیف ابو الاشرف **محمد شریف** خادم مدرسہ دار القراء بی بلاک ماڈل ٹاؤن
لاہور۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ بروز یک شنبہ

ایک ضروری گذارش

اصحابِ فضل و کمال سے گذارش ہے کہ ان حواشی میں اگر کہیں کوئی غلطی یا تسامح ملاحظہ فرمائیں تو خیر خواہی اور شفقت علی الطلبہ کے جذبہ سے محشی کو آگاہ فرمائیں۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

ــ ناظم مکتبۃ القراۃ، لاہور

دیباچہ از مؤلف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد اَلْحَمْدُ وَ الصَّلٰوۃ یہ چند اوراق ہیں ضروریاتِ تجوید میں مسمّٰی بہ جمال القرآن[1] اور اس کے مضامین کو ملقب بہ لمعات[2] کیا جائے گا۔ مجی مکرمی مولوی حکیم محمد یوسف صاحب مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ کی فرمائش پر کتب معتبرہ سے خصوصاً رسالہ ہدیۃ الوحید مؤلفہ قاری مولوی عبدالوحید صاحب مدرس اوّل درجہ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند سے ملتقط کر کے بہت آسان عبارت میں جس کو مبتدی بھی سمجھ لیں لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں قراءت کے دوسرے رسالوں سے بھی کچھ لکھا ہے۔ وہاں ان رسالوں کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں اپنی یادداشت سے کچھ لکھا ہے وہاں کوئی نشان بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ پس جہاں کسی کتب کا نام نہ ہو وہ یا تو ہدیۃ الوحید کا مضمون ہے اگر اس میں موجود ہو ورنہ احقر کا مضمون ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر الرفیق۔

(کتبہ اشرف علی تھانوی اوہمی حنفی چشتی عفی عنہ)

مشورۂ مفیدہ:- اوّل اس رسالہ کو خوب سمجھا کر پڑھائیں اور ہر شے کی تعریف اور مخارج وصفات وغیرہ خوب یاد کرادیں۔ اس کے بعد رسالہ تجوید القرآن نظم حفظ کرادیا جائے اور اگر فرصت کم ہو تو رسالہ حق القرآن[3] کو یاد کرادیا جائے۔ فقط (کتبہ اشرف علی عفی عنہ)

---

[1] کتاب کا نام نہایت موزوں اور موضوع کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ جمال کے معنی حسن کے آتے ہیں اور تجوید تلاوت قرآن کا حسن ہے جیسا کہ علامہ جزری نے اپنے مشہور رسالہ مقدمۃ الجزریہ میں فرمایا ہے ۱۲

[2] ایسے ہی مضامین کو ابواب یا فصول کی بجائے لمعات سے ملقب کرنا بھی نہایت موزوں اور عمدہ تعبیر ہے اور اس میں کتاب کے نام کے ساتھ بھی مناسبت پائی جاتی ہے کیونکہ لمعات، لمعہ کی جمع ہے اور لمعہ کے معنی چمک اور روشنی کے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لَمَعَ الْبَرْقُ بجلی چمکی پس چمک اور حسن میں ایک مناسبت پائی جاتی ہے نیز اس لقب کے تجویز کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح روشنی اور چمک میں انسان اشیاء معلوم کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک لمعہ پڑھ لینے کے بعد علم تجوید کی راہ کا ایک حصہ اس پر ظاہر اور روشن ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

[3] حق القرآن اور تجوید القرآن یہ دونوں رسالے بھی حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ہیں اور دونوں منظوم ہیں ۱۲۔

پہلا لمعہ

تجوید[1] کہتے ہیں ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا اور اس علم کی حقیقت اسی قدر[2] ہے اور مخارج اور صفات آگے آویں گے چوتھے اور پانچویں لمعہ میں ۔

دوسرا لمعہ

تجوید کے خلاف[1] قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن[2] کہلاتا ہے اور یہ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھ دیا جیسے اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْهَمْدُ پڑھ دیا۔ یا ثؔ کی جگہ سؔ پڑھ دیا۔ یا حؔ کی جگہ ہؔ پڑھ دی یا ذؔ کی جگہ زؔ پڑھ دی یا صؔ کی جگہ سؔ پڑھ دیا۔ یا ضؔ کی جگہ ذؔ یا ظؔ پڑھ دی۔ یا ظؔ کی جگہ زؔ پڑھ دی۔ یا عؔ کی جگہ ہمزہ پڑھ دیا۔ اور ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ بھی مبتلا ہیں۔ (۲) یا کسی حرف کو بڑھا دیا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں دال کے پیش کو اور ہؔ کے زیر کو اس طرح کھینچ کر پڑھا اَلْحَمْدُوْ لِلّٰهِیْ (۳) یا کسی حرف کو گھٹا دیا جیسے لَمْ یُوْلَدْ میں واؤ کو ظاہر نہ کیا اور اس طرح پڑھا لَمْ یُلَدْ

حواشی لمعہ اول

[1] اس لمعہ میں مصنفؒ نے تجوید کی تعریف اور اس کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ کسی علم و فن کے شروع کرنے سے پہلے اس کی تعریف معلوم کر لی جائے اور گو تعریف کے علاوہ اس علم کا موضوع اس کی غرض و غایت اور اس کا فائدہ یہ چیزیں بھی شروع ہی میں معلوم کر لینے کی ہیں مگر مصنفؒ نے اختصار کے پیشِ نظر فقط تعریف پر ہی اکتفا کیا ہے۔ آئندہ حاشیہ میں یہ چیزیں بھی انشاء اللہ اختصار کے ساتھ بیان کر دی جائیں گی ۱۲۔

[2] پس تجوید کے دو جز ہیں۔ پہلا جز مخارج الحروف اور دوسرا صفات الحروف جیسا کہ متن سے ظاہر ہے اور مخرج اور صفت کے معنے آئندہ اپنے موقع پر آجائیں گے اور موضوع اس علم کا حروف تہجی اور غایت تصحیح حروف اور فائدہ حصول رضائے مولیٰ ہے ۱۲

[3] مقصد یہ ہے کہ تجوید کے اجزا بس یہی دو ہیں۔ رہا لہجہ سو وہ تجوید کا جز نہیں گو مستحب اور مستحسن ہے بشرطیکہ لہجہ کی وجہ سے قواعد تجوید نہ بگڑیں۔ ورنہ مکروہ یا حرام ہے۔ تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھو۔ پس مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص قرآن مجید کو قواعدِ تجوید کے موافق صحیح تو پڑھتا ہے مگر لہجہ نہیں بنا سکتا تو وہ مجوّد کہلانے کا حقدار ہے۔ اور اس کے برعکس اگر کوئی شخص لہجہ تو خوب جانتا ہے مگر قرآن کی تلاوت تجوید کے موافق نہیں کرتا تو اس کو مجوّد کہنا کسی طرح صحیح نہیں ۱۲۔

(۴) یا زبر، زیر، پیش، جزم، میں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ دیا جیسے اِیَّاكَ کے کاف کا زیر پڑھ دیا یا اِھْدِنَا میں ہ سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَھَدِنَا یا اَنْعَمْتَ کی میم پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا۔ ان غلطیوں[۵] کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام[۶] ہے (حقیقت التجوید) اور بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی[۷] رہتی ہے۔ اور دوسری قسم یہ کہ ایسی غلطی تو نہیں کی لیکن حرفوں کے حسنی[۸] ہونے کے جو قاعدے مقرر ہیں

حواشی لمعۂ دوم

[۱] پہلے لمعہ میں تجوید کی تعریف اور اس کی حقیقت وغیرہ بیان کرنے کے بعد اب اس لمعہ میں مصنف رح غلطیوں کی انواع اور ان کی قسمیں بیان فرماتے ہیں۔ چونکہ علم تجوید کا مقصد ہی قرآن مجید کو غلط پڑھنے سے بچنا ہے اس لیے مصنف رح نے اس لمعہ میں وہ تمام صورتیں بیان فرما دی ہیں جو تجوید کے خلاف یعنی غلط پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں ۱۲ [۲] تجوید کے خلاف پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا یا غلط پڑھنا ان تینوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ بے قاعدگی غلطی ہے اور غلطی بے قاعدگی اور یہی مطلب ہے تجوید کے خلاف پڑھنے کا بھی ۱۲ [۳] لحن کا اطلاق ہر قسم کی غلطی پر ہوتا ہے خواہ بھاری ہو یا ہلکی۔ البتہ بعد میں اس کی یہ تقسیم ضروری ہے جیسا کہ مصنف رح نے کی ہے۔ پس بھاری غلطی کو لحن جلی اور ہلکی غلطی کو لحن خفی کہتے ہیں۔ پھر لحنِ جلی کا اطلاق چار قسم کی غلطیوں پر ہوتا ہے۔ (۱) ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے (۲) کوئی حرف زیادہ ہو جائے۔ (۳) کوئی حرف کم ہو جائے۔ (۴) حرکت و سکون میں غلطی ہو جائے یعنی ایک حرکت کی بجائے دوسری حرکت یا حرکت کی بجائے سکون یا سکون کی بجائے حرکت ادا ہو جائے۔ یہ سب صورتیں اور ان کی مثالیں متن میں موجود ہیں۔ مسئلہ کے سمجھانے اور صورتوں کو واضح کرنے کی غرض سے متن میں نمبر لگا دیے گئے ہیں۔ پس متن میں پہلے تو نمبر ایک تا چار کے ضمن میں لحنِ جلی کی چار صورتیں اور ان کی مثالیں بیان کی ہیں اور پھر لحنِ جلی کا حکم بتایا ہے اور پھر اس کے بعد لحن خفی کی تعریف اور اس کا حکم بیان کیا ہے۔ اس ترتیب کو ذہن میں رکھ کر متن کا مطالعہ کیا جائے تو انشاء اللہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے گا ۱۲ [۴] یہاں لکھے پڑھے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو عربی زبان سے واقف اور قرآن مجید کا ترجمہ جانتے ہیں۔ اور یہ حضرات باوجود علم رکھنے کے ان غلطیوں میں جو مبتلا ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محض کسی لفظ کا معنیٰ اور اس کا مادہ جان لینے سے اس لفظ کی صحیح ادائیگی نہیں آ جاتی اس کے لیے تو کسی مجود قاری سے ہی مشق کرنی پڑتی ہے ۱۲ [۵] یعنی جو اوپر ۱ تا ۴ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں ۱۲ [۶] کیونکہ ان غلطیوں سے لفظ اور

اُن کے خلاف پڑھا جیسے رَا پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے اس کو پُر[ف۹] یعنی مُنہ بھر کر پڑھا جاتا ہے جیسے اَلْقَوَا کی را جیسا کہ آٹھویں لمعہ میں آوے گا مگر اس نے باریک پڑھ دیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی[ف۱۰] ہے یعنی مکروہ ہے (حقیقت التجوید) لیکن بچنا اس سے بھی ضروری[ف۱۱] ہے۔

نمبرا[ف۱] لمعہ

قرآن شریف شروع[ف۲] کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ضروری[ف۳] ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں یہ تفصیل[ف۴] ہے کہ اگر سورت سے شروع کرے

معنیٰ دونوں یا کم از کم لفظ تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کی مندرجہ بالا مثالوں سے ظاہر ہے

ف۷ مگر ہر لحن جلی مفسدِ نماز نہیں جیسا کہ لفظ بعض سے ظاہر ہوتا ہے البتہ نماز میں فساد صرف لحن جلی سے ہی آتا ہے۔ لحن خفی سے نہیں آتا۔ فساد کی صورتیں اور مثالیں فقہ کی کتابوں کے باب زلۃ القاری میں دیکھی جا سکتی ہیں ۱۲

ف۸ اس قسم کے قاعدوں کو اہلِ فن کی اصطلاح میں صفاتِ عارضہ سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

ف۹ یعنی زبر اور پیش کی حالت میں را کو پُر پڑھنا یہ اس کی صفت عارضہ ہے اور تحسین ہونے کے قاعدوں سے مُراد اسی قسم کی صفات ہیں آگے ان کا بیان مسلسل کئی لمعوں میں آ رہا ہے ۱۲

ف۱۰ کیونکہ اس قسم کی غلطی سے نہ تو نماز ٹوٹتی ہے اور نہ ہی معنیٰ بدلتا ہے۔ صرف حروف کا حسن اور اس کی زینت جاتی رہتی ہے ۱۲

ف۱۱ اس لیے کہ اس قسم کی غلطیوں سے نہ بچنے کی صورت میں بھی تجوید ناقص رہتی ہے اور اس سے بچنا بھی تجوید کا ایک حصہ ہے ۱۲

فائدہ: مصنف رح نے لمعہ کے شروع میں جو یہ فرمایا ہے کہ تجوید کے خلاف پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بےقاعد پڑھنا لحن ہے تو ممکن ہے کہ تین لفظ لانے سے لحن کے انواع کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو اس طرح کہ ابدال حرف بحرف آخر کی طرف تجوید کے خلاف پڑھنے سے حرف میں کمی بیشی ہو جانے، ایک حرکت کے دوسری حرکت سے بدل جانے اور حرکت کے سکون سے اور سکون کے حرکت سے بدل جانے کی طرف غلط پڑھنے سے اور صفاتِ عارضہ کے ادا نہ ہونے کی طرف بے قاعدہ پڑھنے سے اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ ابدال حرف بحرف ایسی غلطی ہے جس کا احساس بالعموم مجوّدین ہی کو ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں سے حرف متشابہ الصورت کا ابدال مُراد ہے جیسا کہ متن کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ اور ان حرفوں میں بغیر مشق کیے فرق کرنا مشکل ہے اور حروف کی کمی بیشی کو اور ایسے ہی حرکت و سکون کی غلطی کو وہ علمائے عربیت بھی محسوس فرما لیتے ہیں جو مجوّدین نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی طرف اشارہ بھی عام عنوان سے کیا ہو یعنی غلط پڑھنا

تو بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر پڑھتے پڑھتے کوئی سورت بیچ میں شروع ہو گئی تب بھی بسم اللہ ضروری ہے مگر اس دوسری صورت میں سورۂ براۃ کے شروع میں نہ پڑھے اور بعضے عالموں نے کہا ہے کہ پہلی صورت میں بھی سورہ براۃ پر بسم اللہ نہ پڑھے۔ اور اگر

اور گو صفاتِ عارضہ کی عدم ادائیگی کا احساس بھی مجوّدین ہی کو ہوتا ہے مگر چونکہ وہ تجوید کا ایسا اہم جز نہیں ہے جس طرح کہ مخارج وصفات لازمہ ہیں۔ اس لیے ان کی غلطی کی طرف اشارہ بھی ہلکے عنوان سے کر دیا ہو یعنی بے قاعدہ پڑھنا۔ چنانچہ متن میں بھی ان کے ترک کو حرفوں کے حسین ہونے کے قاعدوں کے خلاف پڑھنے ہی سے تعبیر فرمایا ہے اور اس لمعہ کو اصل مسائل پر جو مقدم کیا ہے تو اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ مصنف کے پیش نظر یہ سمجھانا ہو کہ آئندہ لمعات میں بیان ہونے والے مسائل کو یاد کر لینے اور ان کی روشنی میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے مقصود انہی غلطیوں سے بچنا ہے جو یہاں بیان کر دی گئی ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲۔

حواشی لمعہ سوم

[1] اس لمعہ میں مصنفؒ نے آعوذ اور بسم اللہ کے پڑھنے کا محل اور موقع بیان فرمایا ہے اور مسئلہ کے باقی پہلوؤں کو ابتدائی رسالہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز فرما دیا ہے۔ احقر کی رائے میں معلّمین کے لیے بھی یہی مناسب ہے کہ کتاب میں مسئلہ کی جو شق مذکور ہے اس کے سوا اور دوسری شقوں سے تعرض نہ کریں تاکہ مبتدی کا ذہن مشوش نہ ہو ۱۲ [2] خواہ کسی سورت کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے یا درمیان سے مثلاً کسی پارہ یا رکوع وغیرہ کے شروع سے یہ حکم عام ہے ۱۲ [3] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل میں اس کا حکم فرمایا ہے ۱۲ [4] اس تفصیل کے سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہاں سورت اور صورت میں کیا فرق ہے۔ پس سورۃ تو وہی عام لفظ ہے یعنی قرآن مجید کی سورۃ اور صورت بمعنی حالت ہے۔ اب سمجھو کہ بسم اللہ کے پڑھنے کا موقعہ ابتدائے سورت ہے اور ابتدائے سورۃ کی دو صورتیں یعنی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابتدائے سورۃ سے پڑھنا شروع کیا جائے اور دوسری یہ کہ ابتدائے سورۃ کے درمیان قرأت میں واقع ہو یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورۃ شروع ہو جائے پس بسم اللہ کا پڑھنا ابتدائے سورۃ میں ان دونوں صورتوں میں ضروری ہے۔ البتہ سورۂ براٰۃ کی ابتداء کا حکم اس عام قاعدہ سے مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو سورۃ براۃ پڑھتے پڑھتے درمیان میں شروع ہو جائے تب تو اس کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا سب کے نزدیک ناجائز ہے اور اس کو متن ہی دوسری صورت کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اور اگر یہیں سے پڑھنا شروع کیا جائے تو اس صورت میں بھی اکثر علما ناجائز ہی کہتے ہیں۔ البتہ بعض علماء

کسی سورت کے بیچ میں سے پڑھنا شروع کیا تو بسم اللہ پڑھ[۵] لینا بہتر ہے۔ ضروری نہیں لیکن اعوذ اس حالت میں بھی ضروری[۶] ہے۔

نے اس حالت میں پڑھنے کو جائز بتایا ہے اور اگر متن میں اکثر کے قول کو جو بعض کا قول بتایا ہے تو یہ دوسرے محققین کی تحقیق کے خلاف ہے اور پھر جو علماء اس صورت میں جائز بتاتے بھی ہیں تو وہ بھی ابتدائے سورت کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف تبرکاً یعنی برکت حاصل کرنے کی غرض سے جائز بتاتے ہیں جیسا کہ ابتدائے قرأت درمیان سورۃ کی صورت میں بھی اس مقصد کے لیے بسم اللہ کا پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے واللہ اعلم۔ اس مسئلہ کی کچھ تفصیل تو نسخات مرضیہ شرح فوائد مکیہ میں درج ہے ۱۲ ش ۵ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ کام جو مہتم بالشان ہو اگر اس کو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اور تلاوتِ قرآن سے بڑھ کر اور کونسا کام مہتم بالشان ہوگا۔ اور ضروری اس لیے نہیں کہ اس کا محل نہیں پایا گیا جو کہ ابتدائے سورۃ ہے ۱۲ ش ۶ یعنی ابتداء قراءت درمیان سورۃ کی حالت میں ۱۲ ش ۵ کیونکہ اس کا محل پایا جا رہا ہے یعنی ابتدائے قرأت۔ **ایک مفید مشورہ** معلمین کو چاہیے کہ یہ لمعہ اچھی طرح سمجھا کر پڑھا چکنے کے بعد سورت اور قرآن کے شروع اور درمیان کے لحاظ سے جو تین شکلیں نکلتی ہیں وہ ہر شکل میں اعوذ اور بسم اللہ دونوں کے یا دونوں میں سے ایک کے پڑھنے کا جو حکم ثابت ہوتا ہے طلبہ کو بھی سمجھا دیں مگر کوشش اس بات کی کریں کہ سمجھانے کا انداز مختصر ہو اور تقریر اس طرح کریں کہ اس لمعہ میں تمہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ شروع قرأت میں اعوذ کا اور شروع سورت میں بسم اللہ کا پڑھنا ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی سورۃ کے شروع سے پڑھنا شروع کیا جائے تو وہاں اعوذ اور بسم اللہ دونوں ہی پڑھی جائیں گی۔ اعوذ تو اس لیے کہ شروع قرأت ہے اور بسم اللہ اس لیے کہ شروع سورت ہے اور اگر شروع قرأت درمیان سورت سے ہو یعنی کسی سورت کے درمیان سے پڑھنا شروع کیا جائے تو وہاں اعوذ تو ضرور پڑھی جائے گی اور بسم اللہ کا پڑھ لینا بھی بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔ اور اگر شروع سورت درمیان قرأت ہو یعنی پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورت شروع ہو جائے تو وہاں صرف بسم اللہ ہی پڑھی جائے گی۔ پس یہ کل تین صورتیں ہوئیں۔ ۱ شروع قرأت شروع سورت ۲ شروع قرأت درمیان سورت ۳ شروع سورت درمیان قرأت۔ اب یہ سمجھو کہ شروع قرأت شروع سورت میں اعوذ کو بسم اللہ سے اور بسم اللہ کو آیت سے ملا کر یا دونوں پر وقف کر کے یا پہلے کو دوسرے سے ملا کر اور دوسرے پر وقف کر کے یا اس کے برعکس یعنی پہلے پر وقف کر کے اور دوسرے کو آیت سے ملا کر جس طرح چاہو پڑھو ہر طرح جائز ہے اور شروع قرأت درمیان سورۃ میں اگر بسم اللہ پڑھیں تو اس کو آیت سے ملا کر پڑھنا جائز نہیں بلکہ الرَّجِیْمِ پر وقف کر کے پڑھنا ہی ضروری ہے۔ ہاں اعوذ کو بسم اللہ سے ملانا

چوتھا لمعہ[1]

جن موقعوں[2] سے حروف ادا ہوتے ہیں ان کو مخارج[3] کہتے ہیں اور یہ مخارج سترہ[4] ہیں۔ مخرج[5]

اور نہ ملانا دونوں جائز ہیں۔ اور اگر بسم اللہ نہ پڑھیں تو اعوذ کو اگرچہ آیت سے ملانا جائز تو ہے لیکن نہ ملانا بہتر ہے۔ ہاں اگر آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کوئی نام ہو تو اس آیت سے اعوذ کو ملانا قطعاً جائز نہیں اور شروع سورت درمیان قرأت میں پہلی سورۃ کے آخر پر وقف کر کے یا اس کو بسم اللہ سے ملا کر پڑھنا دونوں طرح جائز ہے۔ لیکن اگر سورۃ کے آخر کو بسم اللہ سے ملا دیا ہے تو اب الرحیم پر وقف کرنا جائز نہیں بلکہ اگلی سورۃ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے۔ اور اگر پڑھتے پڑھتے درمیان میں سورۃ برأت شروع ہو جائے تو وہاں چونکہ بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس لیے دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ سورۂ انفال کے آخر پر وقف کر دیا جائے اور دوسری یہ کہ اس کے آخر کو بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ سے ملا کر پڑھا جائے البتہ یہاں پر ایک تیسری صورت بھی جائز ہے اور وہ یہ کہ سورۂ انفال کے آخر یعنی بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ پر سانس لیے تھوڑی دیر ٹھہر کر دوسری سورۃ شروع کی جائے اور اس کو سکتہ کہتے ہیں۔

حواشی لمعہ چہارم

[1] تجوید کی تعریف، لحن کی صورتیں اور ان کا حکم، اعوذ اور بسم اللہ کے پڑھنے کا موقع اور محل بیان کرنے کے بعد اب اس لمعہ سے مصنفؒ تجوید کے اصل مسائل شروع فرما رہے ہیں اور جیسا کہ پہلے لمعہ میں فرما چکے ہیں کہ تجوید نام ہے حروف کو ان کے مخارجِ اصلیہ سے نکالنے اور ان کی صفات کے ادا کرنے کا اس لیے اب مسائل کے بیان میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے کہ پہلے حرفوں کے مخارج بیان فرمائے ہیں اور پھر صفات کی بحث لائے ہیں اور مناسب بھی یہی ترتیب ہے اس لیے کہ حرف کے ادا ہونے میں پہلا مرتبہ مخرج کا ہے اور صفات کا درجہ مخرج کے بعد ہے ۱۲ [2] یعنی جن جگہوں سے جیسا کہ زبان کی جڑ، زبان کی کروٹ اور دونوں ہونٹ وغیرہ بس انہی جگہوں کو مخارج کہتے ہیں اور مخارج جمع ہے مخرج کی اور مخرج کے معنی ہیں حرف کے نکلنے کی جگہ ۱۲ [3] اس طرح کہ ایک جوف میں، تین حلق میں، دس زبان میں، دو ہونٹوں میں اور ایک ناک کی جڑ میں ہے۔ تفصیل کتاب میں آ رہی ہے ۱۲ [4] اس مخرج کے ضمن میں چونکہ مصنفؒ نے مخرج کا نام، اس سے نکلنے والے حروف اور ان حرفوں کے اصطلاحی ناموں کے علاوہ کچھ چیزیں اور بھی بیان فرمائی ہیں مثلاً ہمزہ اور الف کا فرق، واؤ اور یا کی تین تین قسمیں، حروفِ مدہ کو مدہ اور ہوائیہ کہنے کی وجہ۔ اس لیے اساتذہ کو چاہیے کہ پہلے یہ سب چیزیں طلبہ کو الگ الگ سمجھا دیں اور پھر کتاب کی عبارت پڑھوا کر اس کی وضاحت کریں ۱۲

نمبر۱۔ جوفِ دہن[ف۵] یعنی منہ کے اندر کا خلا۔ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں۔ واؤ جبکہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر پیش ہو جیسے اَلْمَغْضُوْبِ یا جبکہ ساکن ہو اور اس سے پہلے زیر ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ الف جبکہ ساکن[ف۶] بے جھٹکے ہو اور اس سے پہلے زبر ہو جیسے صِرَاطَ۔ اور ساکن بے جھٹکے اس لیے کہا کہ زبر۔ زیر۔ پیش والا اور اسی طرح ساکن جھٹکے والا ہمزہ ہوتا ہے اگرچہ عام لوگ اس کو بھی الف کہتے ہیں جیسے الحمد کے شروع میں جو الف ہے۔ یا بَأْسٌ کے بیچ میں جو الف ہے یہ واقع میں ہمزہ ہے اور اس تمام کتاب میں ایسے دونوں الفوں کو ہمزہ ہی کہا جاوے گا۔ یاد رکھنا اور جس الف اور جس واؤ اور جس یا کا ابھی اوپر ذکر کیا[ف۷] ہے ان کو حروفِ مدہ اور حروفِ ہوائیہ بھی کہتے ہیں۔ پہلا نام اس لیے ہے کہ ان پر کبھی[ف۸] مد بھی ہوتا ہے۔ گیارھویں لمعہ کے بیان میں اس کا پورا حال معلوم ہوگا۔ اور دوسرا نام اس لیے کہ یہ حروف ہوا پر[ف۹] تمام ہوتے ہیں۔ اور جس واؤ ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو واؤ لین کہتے ہیں جیسے مِنْ خَوْفٍ اور جس یا ساکن سے پہلے زبر ہو اس کو یا لین کہتے ہیں جیسے

[ف۵] اس لفظ کا معنیٰ تو مصنفؒ نے بیان فرما ہی دیا ہے یعنی منہ کے اندر کا خالی ہونا۔ اب سمجھنے کی چیز رہ گئی ہے کہ خلا سے حرفوں کے ادا ہونے کا کیا مطلب ہے۔ پس مطلب اس کا یہ ہے کہ جس طرح اور حرفوں کی ادائیگی میں آواز کسی نہ کسی جگہ پہنچ کر رُک جاتی ہے اس طرح ان حرفوں کی ادائیگی میں آواز کسی مقرر جگہ پر ٹھہرنے اور رُکنے نہیں پاتی بلکہ گذرتی ہوئی چلی جاتی ہے اور ہوا میں پھیل کر ختم ہو جاتی ہے ۱۲

[ف۶] یعنی سیدھا اور نرم کہ آواز بالکل رکنے نہ پائے جیسے قَالَ اور کَانَ کا الف کیونکہ الف کی حقیقت یہی ہے ورنہ اگر پڑھنے میں جھٹکا لگا تو الف الف نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ ہو جائے گا جیسا کہ آگے متن میں بھی ہے ۱۲

[ف۷] یعنی وہ جن کے ساتھ ساکن ہونے اور ماقبل کی حرکت کے موافق ہونے کی قید لگائی ہے ۱۲

[ف۸] یہ نام اس مد کی وجہ سے نہیں ہے جو کبھی ہوتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جب ان میں یہ مد نہ ہو اس وقت ان کا یہ نام بھی نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ نام اس مد کی وجہ سے ہے جس پر ان حرفوں کی ذات کا مدار ہے اور جس کو مدِ ذاتی کہتے ہیں کیونکہ اس سے یہ کبھی خالی نہیں ہوتے اور متن میں جو کبھی کی قید بڑھائی ہے تو اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس مد کی حالت میں مد کا احساس زیادہ ہوتا ہے واللہ اعلم

[ف۹] ہوا پر تمام ہونے اور جوف سے ادا ہونے کا مطلب ایک ہی ہے دیکھو حاشیہ نمبر ۵ وہاں اس کی وضاحت کی گئی ہے ۱۲

[ف۱۰] یہ لفظ اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ اگر کاتب غلطی سے نقطہ بڑھا بھی دے تو اس کو غینؔ اور خاؔ نہ پڑھیں اور اسی طرح مخرج ۴ کے حرفوں میں نقطے والے کی قید کا بھی یہی فائدہ سمجھنا چاہیے ۱۲

[ف۱۱] لہات زبان کی شکل کا گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو تالو کے بالکل آخر میں لٹکا رہتا ہے اس کو اردو میں کوا کہتے ہیں ۱۲

[ف۱۲] یعنی

وَالصَّیْف پس واؤ لین اور واؤ متحرک کا مخرج آگے سولہویں مخرج کے بیان میں آوے گا اور یا متحرک اور یا لین کا مخرج آگے ساتویں مخرج کے بیان میں آوے گا (مخرج ۲) اقصیٰ حلق یعنی حلق کا پچھلا حصہ سینہ کی طرف والا اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں۔ ہمزہ اور ہا (مخرج ۳) وسط حلق یعنی حلق کا درمیان والا حصہ اس سے یہ حروف نکلتے ہیں ع اور ح بے نقطہ والے[10] (مخرج ۴) ادنیٰ حلق یعنی حلق کا وہ حصہ جو منہ کی طرف والا ہے اس سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں غ اور خ نقطہ والے اور ان چھ حرفوں کو حروف حلقی کہتے ہیں (مخرج ۵) لہات[11] یعنی کوّے کے متصل زبان کی جڑ جبکہ اوپر کے تالو سے[12] ٹکر کھائے اس سے قاف ادا ہوتا ہے (مخرج ۶) قاف کے مخرج کے متصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے ہٹ کر اور اس سے کاف ادا ہوتا ہے اور ان دونوں کو لہاتیہ[13] کہتے ہیں۔ (مخرج ۷) وسط زبان اور اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے اور اس سے یہ حرف ادا ہوتے ہیں۔ ج۔ ش۔ یا۔ جبکہ وہ مدہ نہ ہو[14] یعنی یائے متحرک اور یائے لین اور مدہ کے معنی مخرج ۱ کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں اور ان کو حروفِ شجریہ[15] کہتے ہیں (فائدہ) آگے جو مخارج آتے ہیں ان میں بعض دانتوں کے نام عربی میں آویں گے۔ اس واسطے پہلے اُن کے معنی[16] بتلائے دیتا ہوں۔ ان کو خوب یاد کر لیں تاکہ آگے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ بتیس[17] دانتوں میں سے سامنے کے[18] چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں سو دو اوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلیٰ اور ان

جا کر لگے اور آگے لام کے مخرج میں بھی مؤلف نے یہی لفظ استعمال کیا ہے اس کا مطلب بھی یہی سمجھنا چاہیے ۱۲

[13] چونکہ ان حرفوں کا مخرج لہات سے متصل ہے اس لیے ان کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے ۱۲

[14] کیونکہ مدہ ہونے کی حالت میں اس کا مخرج جوفِ دہن ہے جیسا کہ مخرج ۱ کے ذیل میں معلوم ہو چکا ہے ۱۲

[15] شجر بسکون جیم منہ کے اندر کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے یہ تینوں حروف ادا ہوتے ہیں ۱۲

[16] یہاں معنی سے مراد دانتوں کے نام اور ان کی ترتیب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کتاب میں دانتوں کے معنی تو مذکور نہیں ۱۲

[17] کیونکہ عام طور پر انسان کے منہ میں بتیس دانت ہی ہوتے ہیں ۱۲

[18] پس دانتوں کی ترتیب اور ان کے مواقع سمجھنے کے لیے کسی کنارہ سے شروع نہ کیا جائے بلکہ سب سے پہلے ان چار دانتوں کی جگہ معلوم کر لینی چاہیے جو دیکھنے والے کو سامنے نظر آتے ہیں انہیں کو ثنایا کہتے ہیں۔ اور یہ دو دو اکٹھے اور آپس میں ملے ہوئے ہیں اس طرح کہ دو اوپر ہیں اور دو نیچے بخلاف باقی دانتوں کے کہ وہ چاروں طرف ایک ایک ہیں جیسا کہ کتاب میں تفصیل ہو چکی ہے اگر اس بیان سے ترتیب سمجھ میں نہ آئے تو کتاب معلم التجوید میں دانتوں کا نقشہ دیکھ لیا جائے انشاء اللہ سمجھ میں آ جائے گی ۱۲

ثنایا کے پہلو میں چار دانت جو ان سے ملے ہوئے ہیں ان کو رباعیات اور قواطع بھی کہتے ہیں۔ پھر ان رباعیات سے ملے ہوئے چار دانت نوک دار ہیں۔ ان کو انیاب اور کواسر کہتے ہیں۔ پھر ان انیاب کے پاس جو چار دانت ہوتے ہیں ان کو ضواحک کہتے ہیں۔ پھر ان ضواحک کے پہلو میں بارہ دانت اور ہیں یعنی تین اوپر داہنی طرف اور تین اوپر بائیں طرف اور تین نیچے داہنی طرف اور تین نیچے بائیں طرف ان کو طواحن کہتے ہیں۔ پھر ان طواحن کے بغل میں بالکل اخیر میں ہر جانب ایک ایک دانت اور ہوتا ہے جن کو نواجذ کہتے ہیں۔ اور ان سب ضواحک، طواحن اور نواجذ کو اضراس کہتے ہیں جن کو اردو میں داڑھیں کہتے ہیں۔ یاد کی آسانی کے لیے کسی نے ان سب ناموں کو نظم کر دیا ہے۔ وہ نظم یہ ہے : ف

ہے تعداد دانتوں کی کل بتیس ور دو   ثنایا ہیں چار اور رباعی ہیں دو دو
ہیں انیاب چار اور باقی رہے بیس   کہ کہتے ہیں قرّاء اضراس ان بیس کو
ضواحک ہیں چار اور طواحن ہیں بارہ   نواجذ بھی ہیں ان کے بازو میں دو دو

(مخرج ۸) ض کا ہے اور وہ حافۂ[21] لسان یعنی زبان کی کروٹ دائیں یا بائیں سے نکلتا ہے جبکہ اضراس علیا یعنی اوپر کی داڑھوں کی جڑوں سے لگا دیں اور بائیں طرف سے آسان ہے اور دونوں طرف سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے مگر بہت مشکل ہے اور اس حرف کو حافیہ کہتے ہیں اور اس حرف میں اکثر لوگ بہت غلطی کرتے ہیں اس لیے کسی مشّاق قاری سے اس کی مشق کرنا ضروری ہے اس حرف کو دوال[ف] پُر یا باریک یا دال کے مشابہ جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کے پڑھنے کی عادت ہے ایسا ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح خالص ظا[22] پڑھنا بھی غلط ہے۔ البتہ اگر

ف١٩ اسی طرح رباعیات، انیاب، ضواحک اور نواجذ یہ دانت بھی چار چار ہی ہیں۔ البتہ طواحن چار نہیں بلکہ بارہ ہیں۔ اس لیے یہ باقی دانتوں کی طرح چاروں طرف ایک ایک نہیں بلکہ تین تین ہیں ١٢ ف٢٠ اگرچہ تمام دانتوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ علیا اور سفلی مگر چونکہ ثنایا سفلی کے سوا نیچے کے کسی دانت سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے مصنفؒ نے باقی دانتوں کی اس تقسیم کی ضرورت نہیں سمجھی واللہ اعلم ١٢ ف٢١ مگر پورا حافہ ضاد کا مخرج نہیں بلکہ قطعی حافہ ہے یعنی حافہ کا وہ حصہ جو اضراس کے مقابل ہو کیونکہ زبان کی نوک اور حافہ کا کچھ حصہ لام کا مخرج ہے جیسا کہ آگے متن میں مخرج ۹ کے ذیل میں آ رہا ہے ١٢ ف٢٢ کیونکہ یہ بھی ایک مستقل حرف ہے اور اس کی بھی ایک ادا ہے اور اس طرح پڑھنے سے لازم آئے گا ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا جو لحن جلی

ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے صحیح طور پر نرمی[۲۴] کے ساتھ آواز کو جاری رکھ کر اور تمام صفات[۲۵] کا لحاظ کر کے ادا کیا جائے تو اس کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔ دال کے مشابہ بالکل[۲۶] نہیں ہوتی۔ علم تجوید[۲۷] و قرأت کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

(مخرج ۹) لام کا ہے کہ زبان کا کنارہ مع کچھ حصہ[۲۸] حافہ جب ثنایا اور رباعی اور انیاب اور ضاحک کے مسوڑھوں سے کسی قدر مائل[۲۹] تالو کی طرف ہو کر ٹکر کھاوے خواہ داہنی طرف سے یا بائیں طرف سے اور داہنی طرف سے آسان[۳۰] ہے اور دونوں سے ایک دفعہ میں نکالنا بھی صحیح ہے (مخرج ۱۰) نون کا ہے اور وہ بھی زبان کا کنارہ ہے مگر لام کے مخرج سے کم ہو کر یعنی ضاحک کو اس میں دخل نہیں[۳۱] (مخرج ۱۱) راء کا ہے اور وہ نون کے مخرج کے قریب[۳۲] ہے مگر اس میں پشت زبان[۳۳] کو بھی دخل ہے۔

کی ایک صورت ہے جیسا کہ دوسرے لمعہ میں گذر چکا ہے خصوصاً دال پُر تو سرے سے کوئی حرف ہی نہیں ہے۔ اس لیے ضاد کو دال پُر پڑھنا اور بھی زیادہ گناہ کی بات اور فاحش غلطی ہے ۱۲ ۲۳ھ کیونکہ اس میں بھی بڑی خرابی ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے ۱۲ ۲۴ھ کیونکہ اس میں صفت رخاوت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے حرف نرم ادا ہوتا ہے اور اسی صفت کی وجہ سے آواز بھی جاری رہتی ہے جیسا کہ صفات کے باب میں معلوم ہوگا ۱۲ ۲۵ھ اس لیے کہ ضاد کی طرح ظاء میں بھی صفت رخاوت اور اطباق ہے بلکہ یہ دونوں تقریباً تمام ہی صفات میں شریک ہیں ۱۲ ۲۶ھ کیونکہ دال شدید مستفلہ ہے اور ضاد رخوہ مطبقہ پس دال تو سخت اور باریک ادا ہوگا اور ضاد نرم اور خوب پُر پڑھا جائے گا ۱۲ ۲۷ھ چنانچہ غایۃ النشر اور نہایۃ القول المفید وغیرہا میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے۔ اور یہ فن کی انتہائی قابلِ وثوق اور معتبر کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف فرمائے ہیں جن میں اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ضاد کی آواز سننے میں ظاء کی آواز کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے بلکہ یہی اس کی صحتِ ادا کے لیے معیار ہے ان میں سے الاقتصاد فی الضاد مصنفہ جناب مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری اور ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد مصنفہ جناب قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں اور احقر نے بھی اس موضوع پر سبیل الرشاد فی تحقیق تلفظ الضاد کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو بفضلہ تعالیٰ نہایت جامع اور مفید معلومات سے پُر ہے قابلِ مطالعہ ہے ۱۲ ۲۸ھ حاشیہ نمبر ۴ ایک بار پھر دیکھ لیجیے ۱۲ ۲۹ھ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لام کا مخرج مسوڑھوں کے کچھ اوپر تالو کی جانب ہے نیچے دانتوں میں نہیں واللہ اعلم ۱۲ ۳۰ھ یعنی اس کا معاملہ ضاد کے برعکس ہے کیونکہ وہ بائیں طرف سے آسان ہے ۱۲ ۳۱ھ پس لام کا مخرج چار دانت

ان تینوں حرفوں کو یعنی لام اور نون اور راء کو طرفیہ[34] اور ذلقیہ بھی کہتے ہیں۔ (مخرج نمبر ۱۲) طاء اور دال اور تاء کا ہے یعنی زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ اور ان تینوں حرفوں کو نطعیہ[35] کہتے ہیں۔ (مخرج نمبر ۱۳) ظاء اور ذال اور ثاء کا ہے اور وہ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کا سرا[36] ہے۔ اور ان تینوں حرفوں کو لثویہ[37] کہتے ہیں۔ (مخرج نمبر ۱۴) صاد اور زاء اور سین کا ہے اور یہ زبان کا سرا اور ثنایا سفلی کا کنارہ مع کچھ اتصال[38] ثنایا علیا کے ہے اور ان کو حروف صفیر[39] کہتے ہیں (مخرج نمبر ۱۵) فاء کا ہے اور یہ نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کا کنارہ[40] ہے۔ (مخرج نمبر ۱۶) دونوں ہونٹ ہیں اور ان سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں۔ باء اور میم اور واؤ جبکہ مدہ[41] نہ ہو یعنی واؤ متحرک اور واؤ لین اور مدہ کے معنی مخرج ۱ کے ذیل میں بیان کیے گئے ہیں۔ مگر ان تینوں میں اتنا فرق ہے کہ باء ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے اس لیے اس کو بحری کہتے ہیں اور میم ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے اس لیے اس کو بَرّی[42] کہتے ہیں اور واؤ دونوں ہونٹوں کے ناتمام[43] ملنے سے نکلتا ہے اور فاء کو اور ان تینوں

ہیں اور نون کا یعنی ۱۲

[32] البتہ اتنا فرق ہے کہ اس میں نوکِ زبان کچھ تالو کے اندر لگتی ہے بخلاف نون کے کہ اس میں مسوڑھوں کے قریب لگتی ہے اور ایک تھوڑا سا فرق اور بھی ہے جس کو آگے متن میں بیان کیا ہے واللہ اعلم ۱۲

[33] پشتِ زبان زبان کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جس سے حروف ادا ہوتے ہیں اور اس کو عربی میں ظہرِ لسان کہتے ہیں اور نیچے والے حصے کو جو نیچے کے جبڑے سے ملا رہتا ہے بطنِ لسان کہتے ہیں۔ پس اب مطلب یہ ہوا کہ راء کی ادائگی میں لام اور نون کی طرح صرف زبان کی نوک ہی نہیں لگتی بلکہ پشتِ زبان کا سرا بھی لگتا ہے واللہ اعلم ۱۲

[34] طرف کنارے اور نوک کو کہتے ہیں اور ذلق کے بھی یہی معنی ہیں ۱۲

[35] ان حرفوں کے مخرج سے ذرا اوپر ایک چھوٹا سا گڑھا ہے اس کو نطع کہتے ہیں۔ انگلی سے محسوس ہو سکتا ہے ۱۲

[36] مگر یہاں سرے سے مراد نوک نہیں بلکہ دانتوں کا اندر والا کنارہ مراد ہے ۱۲

[37] لثہ مسوڑھے کو کہتے ہیں ۱۲

[38] یعنی ملنا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ثنایا علیا کا اتصال زبان کی نوک کے ساتھ ہو جاتا ہے بلکہ اس اتصال سے مراد ثنایا علیا کا ثنایا سفلی کے ساتھ اتصال ہے وضاحت معلم التجوید میں دیکھو ۱۲

[39] ان حرفوں کا یہ نام صفتِ صفیر کی وجہ سے ہے جو ان حرفوں کی ایک بہت ہی مشہور اور واضح صفت ہے ورنہ مخرج کے لحاظ سے ان حرفوں کا لقب اسلیہ ہے ۱۲

[40] یہاں کنارہ سے مراد ثنایا علیا کی نوکیں ہیں کیونکہ فاء نوکوں ہی سے ادا ہوتی ہے ۱۲

[41] کیونکہ واؤ مدہ کا مخرج جوف ہے جیسا کہ مخرج ۱ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے ۱۲

[42] بحر کے معنی پانی اور تری کے آتے ہیں اور بَرّ کے معنی خشکی کے اسی مناسبت سے باء کو بحری اور میم کو بَرّی کہتے ہیں ۱۲۔

[43] یعنی اس طرح کہ کنارے تو ملے ہوں اور بیچ کھلا ہو اور مثل غنچہ کے گول ہو جائیں یہی مطلب ہے ناتمام ملنے کا ۱۲

حرفوں کو شفویہ کہتے ہیں۔ سترہواں مخرج ۱۷ خیشوم یعنی ناک کا بانسہ[۴۴] ہے اس سے غنہ نکلتا ہے۔ غنہ کا بیان[۴۵] آگے نویں اور دسویں لمعہ میں نون اور میم کے قاعدوں میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا اور جاننا چاہیے کہ ہر حرف کے مخرج معلوم کرنے کا طریقہ[۴۶] یہ ہے کہ اس حرف کو ساکن کرکے اس سے پہلے ہمزہ متحرک لے آوے جس جگہ آواز ختم ہو وہی اس کا مخرج ہے۔

---

[۴۴] یعنی جڑ اور مراد اس سے ناک کی ہڈی والا حصہ ہے اور یہی مخرج ہے غنہ کا ۱۲۔ [۴۵] یعنی نویں اور دسویں لمعہ میں غنہ کے معنی اور یہ کہ نون اور میم میں غنہ کن حالتوں میں ہوتا ہے یہ دو چیزیں بیان کی جائیں گی نویں لمعہ میں تو میم کے غنہ کا بیان ہوگا اور دسویں لمعہ میں نون کے غنہ کا اور غنہ بس انہی دو حرفوں میں ہوتا ہے ۱۲۔ [۴۶] یہ طریقہ در اصل مخرج کے معلوم کرنے کا طریقہ نہیں کیونکہ مخارج تو کتاب میں بیان ہو ہی چکے ہیں بلکہ یہ طریقہ اچھی ادا کے معلوم کرنے کا ہے یعنی یہ کہ حرف صحیح مخرج سے ادا ہوا ہے یا غلط مخرج سے واللہ اعلم ۱۲۔

ایک مفید مشورہ:۔ معلمین کو چاہیے کہ صفات کا بیان پڑھانے سے پہلے طلبہ کو مخارج کی خوب مشق کرا دیں۔ اس طرح کہ وہ فرفر سنا سکیں۔ اگر جمال القرآن کی عبارت میں مخارج یاد نہ ہو سکیں تو مختصر لفظوں میں ہی یاد کرا دیں۔ مثلاً اس طرح کہلوائیں کہ حرفوں کے مخارج سترہ ہیں۔ پہلا مخرج جوفِ دہن اس سے الف، واو، یا مدہ ادا ہوتے ہیں۔ دوسرا مخرج اقصیٰ حلق اس سے ہمزہ اور ہا نکلتے ہیں۔ تیسرا مخرج وسطِ حلق اس سے عین اور حا ادا ہوتے ہیں۔ چوتھا مخرج ادنیٰ حلق اس سے غین اور خا نکلتے ہیں۔ پانچواں مخرج زبان کی جڑ اور اس کے مقابل اوپر کا تالو اس سے قاف ادا ہوتا ہے۔ چھٹا مخرج اس سے ذرا نیچے منہ کی طرف ہٹ کر اس سے کاف نکلتا ہے۔ ساتواں مخرج بیچ زبان اور اس کا مقابل اوپر کا تالو اس سے جیم، شین اور یا غیر مدہ ادا ہوتے ہیں۔ آٹھواں مخرج زبان کی کروٹ اور اوپر کی داڑھوں کی جڑیں اس سے ضاد نکلتا ہے۔ نواں مخرج نوکِ زبان مع کچھ حافہ اور ثنایا، رباعی، انیاب، ضواحک کے مسوڑھے اس سے لام ادا ہوتا ہے۔ دسواں مخرج ثنایا، رباعی اور ناب کے مسوڑھے اور زبان کی نوک اس سے نون نکلتا ہے۔ گیارھواں مخرج نوکِ زبان مع سرا پشتِ زبان اور ثنایا اور رباعی کے مسوڑھے اس سے را ادا ہوتی ہے۔ بارھواں مخرج ثنایا علیا کی جڑیں اور زبان کی نوک اس سے طا، دال اور تا نکلتے ہیں۔ تیرھواں مخرج زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے اندر کے کنارے اس سے ظا، ذال اور ثا ادا ہوتے ہیں۔ چودھواں مخرج ثنایا علیا و سفلیٰ کے اندر کے کنارے اور زبان کی نوک اس سے صاد، سین اور زا نکلتے ہیں۔ پندرھواں مخرج نیچے کے ہونٹ کا شکم اور ثنایا علیا کی نوکیں اس سے فا ادا ہوتا ہے۔ سولھواں مخرج دونوں ہونٹ اس سے با، میم اور واو نکلتے ہیں۔ البتہ با اور میم تو ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتے ہیں اور واو غنچہ کی طرح گول ہونے سے۔ سترھواں مخرج ناک کی جڑ اس سے غنہ ادا ہوتا ہے۔ فقط ۱۲۔

پانچواں[1] لمعہ

جن کیفیتوں[2] سے حرف ادا ہوتے ہیں ان کیفیتوں کو صفات کہتے ہیں اور وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف[3] ہی نہ رہے۔ ایسی صفت[4] کو ذاتیہ اور لازمہ اور ممیزہ اور مقومہ کہتے ہیں۔ اور ایک وہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف تو وہی رہے[5] مگر اس کا حسن و زینت نہ رہے اور ایسی صفت کو محسنہ[6] مزینہ محلیہ عارضہ کہتے ہیں۔ پہلی قسم کی صفات[7] سترہ ہیں۔

حواشی لمعہ پنجم [1] مخارج کے بعد اب اس لمعہ سے مصنف تجوید کے دوسرے جز یعنی حرفوں کی صفات کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔ صفات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لازمہ (۲) عارضہ۔ حرف کے صحیح ادا ہونے میں صفات لازمہ کو چونکہ زیادہ دخل ہے۔ اس لیے پہلے اس پانچویں لمعہ میں یہی صفات بیان فرمائی ہیں اور پھر اس کے بعد کے لمعات میں صفات عارضہ کی بحث لائے ہیں۔ علم تجوید میں صفات لازمہ کی بحث سب سے زیادہ مشکل سمجھی گئی ہے اس لیے متعلمین کو چاہیے کہ سمجھنے میں بھی زیادہ محنت سے کام لیں ۱۲ [2] یعنی حرفوں کی وہ حالتیں جو مخرج سے ادا ہوتے وقت ان کو پیش آتی ہیں۔ مثلاً حرف کا نرم یا سخت یا پُر یا باریک ادا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ کتاب میں تفصیل آرہی ہے۔ پس حرف کی انھیں حالتوں کو مجوّدین صفات سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲ [3] اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان صفات کے ادا نہ ہونے سے حرف کوئی اور چیز بن جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حرفِ مطلوب ادا نہیں ہوتا اور دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً ظاء میں اگر استعلاء اور اطباق ادا نہ کی جائے تو ظا ظا نہیں رہے گا بلکہ ذال سے بدل جائے گا پس متن کی عبارت پڑھتے وقت لفظ وہ پر زور دینا چاہیے لفظ حرف پر نہیں۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو حاشیہ کی یہ وضاحت بآسانی سمجھ میں آجائے گی ۱۲ [4] ان صفات کے یہ القاب مختلف اعتبارات سے ہیں ذاتیہ اور مقومہ دونوں کے معنی تو تقریباً ایک ہی ہیں یعنی ایسی صفات جن کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات کامل نہیں ہوتی۔ اور لازمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں جو حرف میں ہمیشہ پائی جاتی ہیں۔ اور ان سے کسی حالت میں بھی جدا نہیں ہوتیں۔ اور ممیزہ ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک مخرج کے کئی حرف ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں ۱۲ [5] یعنی جس کو ادا کرنا مقصود ہو اور کسی سے بدلے نہیں ۱۲ [6] محسنہ اور بعد والے دو لفظ یعنی مزینہ اور محلیہ تینوں تقریباً ہم معنی ہیں یعنی حرفوں کو زینت دینے والی اور خوبصورت بنانے والی صفات۔ اور عارضہ مقابل ہے لازمہ کا۔ پس عارضہ کے معنی یہ ہوں گے ایسی صفات جو کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں۔ اور بعض حواشی میں ان صفات کو محلیہ کہنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ یہ صفات حروف میں خاص خاص موقعوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے

(۱) ہمس :۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مہموسہ[ه] کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ہو اور ایسے حروف دس ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتَ

(۲) جہر :۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مجہورہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہو جاوے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی[ه] ہو اور مہموسہ کے سوا باقی سب حروف مجہورہ ہیں اور جہر و ہمس دونوں صفتیں ایک دوسرے کے متقابل[ه] ہیں۔

سوا دوسرے موقعوں پر نہیں پائی جاتیں۔ یہ توجیہ حاشیہ زینت الفرقان میں خود مصنفؒ سے منقول ہے مگر پہلی صورت میں میم کا ضمہ ہوگا اور دوسری صورت میں میم کا فتحہ۔ کیونکہ اس صورت میں یہ محل مبنی مرتفع سے ہوگا واللہ اعلم ۱۲

[ه] معلمین کو چاہیے کہ پہلے ان سترہ صفات کو کسی کاغذ پر مسلسل لکھوا کر لگاتار یاد کرا دیں۔ اس طرح کہ طلبہ ان سب کو ایک سانس میں فرفر بتا سکیں۔ اور پھر ان کے معنی سمجھانے سے پہلے تین چیزیں صفات کی لفظی بحث سمجھا دیں تب معنی سمجھائیں۔ اور لفظی بحث کی تقریر اس طرح شروع کریں کہ جب تم ان سترہ صفتوں کے نام یاد کر چکے تو اب یہ سمجھو کہ ان کی دو قسمیں ہیں :۔ (۱) متضادہ۔ (۲) غیر متضادہ۔ پس نمبر ایک تا دس یعنی ہمس سے اصمات تک یہ دس تو متضادہ ہیں اور صفیر سے استطالت تک کی غیر متضادہ۔ اور پھر متضادہ اور غیر متضادہ کا مطلب سمجھائیں اور پھر یہ بتائیں کہ متضادہ میں سے تو ہر حرف میں پانچ صفتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ اس طرح کہ دس متضادہ کے پانچ جوڑے ہیں اور ہر جوڑے کی دو صفتوں میں سے ہر حرف میں ایک نہ ایک صفت ضرور پائی جاتی ہے اور غیر متضادہ حرفوں میں نہیں پائی جاتیں۔ صرف چند حرفوں میں پائی جاتی ہیں۔ پھر حروف میں صفات معلوم کرنے کا طریقہ اچھی طرح سمجھا دیں اور چند حرفوں میں اس طریقہ کا اجرا بھی کرا دیں۔ اگر مزید ضرورت محسوس ہو تو کتاب مُعَلِّمُ التَّجْوِيْد سے مدد لیں وہاں یہ بات تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ جب یہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح آ جائے تب ان صفتوں کے معنی پڑھائیں مگر معنی سمجھانے میں لمبی چوڑی تقریر ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ مبتدی کا ذہن جلدی مشوش ہو جاتا ہے پس مختصر اور سادہ لفظوں میں سمجھائیں۔ لمبی تقریروں کے لیے اگلی کتابوں میں موقع مل جائیگا ۱۲

[ه] پس ہمس تو صفت ہے اور مہموسہ وہ حروف ہیں جن میں صفت ہمس پائی جاتی ہے جیسا کہ سیاہی سُرخی و زردی وغیرہ یہ تو رنگ ہیں اور سیاہ سُرخ اور زرد وہ چیزیں ہیں جن میں یہ رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی جہر مجہورہ، شدت شدیدہ، رخاوت رخوہ، توسط متوسطہ، استعلا مستعلیہ، استفال مستفلہ الیٰ آخرہ کے فرق کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ احقر کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے طلبہ صفت اور موصوف کے نام

(۳) **شِدّت**:- اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو شدیدہ کہتے ہیں۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرنے کے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز بند ہو جاوے[11] اور آواز میں ایک قسم کی سختی ہو اور ایسے حرف آٹھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے اَجِدُكَ قَطَبْتَ

(۴) **رِخوت**:- اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو رخوہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حرفوں کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز جاری رہے اور آواز میں ایک قسم کی نرمی ہو۔ اور شدیدہ اور متوسطہ کے سوا باقی سب حروف رخوہ ہیں۔ اور متوسط کا بیان ابھی آتا ہے۔ اور ہمس اور جہر کی طرح شدت اور رخوت بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان دونوں صفتوں کے درمیان[12] ایک صفت اور ہے۔ توسط۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو متوسطہ اور بینیہ کہتے ہیں مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ آواز اس میں نہ تو پوری طرح بند ہو اور نہ پوری طرح جاری ہو (حقیقت التجوید) اور ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے لِنْ عُمَ

فرق نہیں کر سکتے اس لیے حاشیہ میں ہندی کی چندی کی گئی ہے ۱۲

[9] حروف مہموسہ کی آواز میں کسی قسم کی پستی اور مجہورہ کی آواز میں کسی قسم کی بلندی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ دونوں قسموں کے حرفوں کو یکے بعد دیگرے ادا کر کے غور کرنے سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ ادا صحیح ہو۔ چنانچہ اگر تم اَتْ کی تاء اور اِذْ کی ذال میں غور کرو گے تو تاء کی آواز کچھ پست اور ذال کی آواز مقابلۃً کچھ بلند معلوم ہو گی ۱۲

[10] جیسا کہ ظاہر ہے کیونکہ جن حرفوں میں ہمس پائی جاتی ہے ان میں جہر نہیں پائی جاتی اور ایسے ہی جن حرفوں میں جہر پائی جاتی ہے ان میں ہمس نہیں پائی جاتی۔ پھر ان کے مطلب میں غور کرو تو بھی ان کا متقابل ہونا اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گا۔ کیونکہ ہمس کی وجہ سے سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ حروف مہموسہ کی آواز میں تو کچھ پستی ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں حروف مجہورہ کی آواز کچھ بلند ہوتی ہے۔ معلّمین کو چاہیے کہ صفات متضادہ کے باقی جوڑوں کی دو متقابل صفتوں کے فرق کو بھی اسی طرح سمجھاتے چلے جائیں ۱۲

[11] پس ہمس اور جہر کا اثر تو سانس پر پڑتا ہے کہ ہمس کی وجہ سے سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ اور شدت و رخاوت کا اثر آواز پر پڑتا ہے کہ شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جاتی ہے اور رخاوت کی وجہ سے جاری رہتی ہے خوب سمجھ لو ۱۲

[12] مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی کامل صفت نہیں۔ نہ اس کو شدت کہہ سکتے ہیں۔ نہ رخاوت اور اسی لیے اس کو گنتی میں شمار بھی نہیں کیا گیا اور صفات متضادہ گیارہ نہیں بتائی گئیں بلکہ دس بتائی گئی ہیں ۱۲۔

اور اس توسط کو الگ صفت نہیں گنا جاتا۔ کیونکہ اس میں کچھ شدت اور کچھ رخوت ہے۔ پس یہ ان دونوں سے الگ نہ[۱۳] ہوئی۔ اور اس مقام پر ایک شبہ[۱۴] ہے۔ وہ یہ کہ حرف تاء اور کاف کو مہموسہ میں سے بھی شمار کیا ہے۔ حالانکہ ان میں آواز بند ہوجاتی ہے اور اسی واسطے ان کو شدیدہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حرفوں میں ہمس ضعیف ہے اور شدید قوی ہے۔ سو شدت کے قوی ہونے سے تو آواز بند ہوجاتی ہے۔ لیکن کسی قدر ہمس ہونے سے بند ہونے سے بعد بند ہونے کے کچھ تھوڑا سا سانس بھی جاری ہوتا ہے۔ مگر اس سانس کے جاری ہونے میں احتیاط رکھنی چاہیے کہ آواز جاری نہ ہو۔ کیونکہ اگر آواز جاری کی جاوے گی تو کاف[۱۵] و تاء شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے اور دوسرے اس میں ہا کی آواز پیدا ہو کر غلط ہو جاوے گا۔

---

[۱۳] مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی ایسی کیفیت نہیں جو ان دونوں سے جدا ہو بلکہ انہی دونوں کا کچھ کچھ اثر اس کے حرفوں میں ہوتا ہے۔ پس یہ نہ شدتِ کاملہ ہے اور نہ رخاوتِ کاملہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حرفوں میں نہ شدت کی طرح آواز پوری بند ہوتی ہے۔ اور نہ رخاوت کی طرح پوری جاری ہوتی ہے ۱۲

[۱۴] کاف و تاء میں آواز کے بند ہوجانے کے باوجود ان کو حروف مہموسہ میں شمار کرنے سے جو شبہ ہوتا ہے تو وہ کوئی حقیقی شبہ نہیں بلکہ سطحی اور سرسری شبہ ہے۔ اس لیے کہ حقیقی شبہ تو جب ہو کہ شدت و ہمس میں ضدیت ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ ضدیت یا ہمس و جہر میں ہے اور یا شدت و رخاوت میں۔ اس لیے کہ پہلی دو کا تعلق سانس کے ساتھ ہے کہ ہمس کی وجہ سے تو سانس جاری رہتا ہے اور جہر کی وجہ سے بند ہوجاتا ہے۔ اور دوسری دو کا تعلق آواز کے ساتھ ہے کہ شدت کی وجہ سے آواز تو بند ہوجاتی ہے اور رخاوت کی وجہ سے جاری رہتی ہے۔ البتہ ہمس و شدت کے جمع ہونے سے بادی النظر میں شبہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ذہن اس طرف منتقل ہوجاتا ہے کہ آواز کا بند ہوجانا اور سانس کا جاری رہنا یہ دونوں کیفیتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ نیز یہ کہ شدت قوی ہے اور ہمس ضعیف۔ سو مصنف نے یہاں اسی شبہ کا جواب دیا ہے کہ پہلے تو شدت کی قوت کی وجہ سے آواز بند ہوجاتی ہے اور پھر ہمس کی وجہ سے تھوڑا سانس جاری ہوتا ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ دونوں صفتوں کے ادا ہونے کا زمانہ ایک نہیں کہ شبہ پیدا ہو بلکہ شدت ایک آن میں ادا ہوتی ہے اور ہمس دوسری آن میں اس لیے ان کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم ۱۲

[۱۵] وہ ہوا جو انسان کے اندر سے بتقاضائے طبیعت یعنی خود بخود خارج ہوتی ہے اگر وہ اتنی لطیف ہو کہ سنائی نہ دے تو اس کو سانس کہتے ہیں اور اگر وہ متموج ہونے کی وجہ سے مسموع ہو تو اس کو آواز کہتے ہیں پس مطلب مصنف کا یہ ہے کہ کاف و تاء میں شدت کی وجہ سے آواز کے بند ہوجانے کے بعد صرف ذرا سا سانس ہی جاری ہونا

(۵) استعلاء:۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستعلیہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت ہمیشہ جڑ زبان[۱۶] کی اوپر کے تالو کی طرف اٹھ جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ حرف موٹے ہو جاتے ہیں اور ایسے حروف سات ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے: خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ

(۶) استفال:۔ اور جن حرفوں میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مستفلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف نہیں اٹھتی جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہتے ہیں اور مستعلیہ کے سوا باقی سب حروف مستفلہ ہیں اور یہ دونوں صفتیں استعلاء اور استفال بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۷) اطباق[۱۷]:۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مطبقہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے ملحق ہو جاتا ہے یعنی لپٹ جاتا ہے اور ایسے حروف چار ہیں: ص۔ ض۔ ط۔ ظ

(۸) انفتاح[۱۸]:۔ اور جن حروف میں یہ صفت ہو ان کو منفتحہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان حروف کے ادا کرنے کے وقت زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے جدا رہتا ہے خواہ زبان کی جڑ تالو سے لگ جاوے۔ جیسے قاف میں لگ جاتی ہے خواہ نہ لگے (جہد المقل مع الشرح)۔

چاہیے یعنی بہت ہی لطیف قسم کی ہوا اور وہ بھی کم مقدار میں خارج ہونی چاہیے! اور اس ہوا کے ساتھ آواز پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر آواز بھی پیدا ہو جائے گی تو یہ حروف شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ آواز کا جاری ہونا حروفِ رخوہ ہی کا خاصہ ہے واللہ اعلم ۱۲

[۱۶] کیونکہ یہ صفت لازمہ ہے اور لازمہ ایسی ہی صفت کو کہتے ہیں جو حرف میں ہمیشہ اور ہر حال میں پائی جائے ۱۲

[۱۷] جس طرح استعلاء کی وجہ سے حرف پُر ہوتا ہے۔ اسی طرح اطباق کی وجہ سے بھی پُر ہی ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ہر حرف مطبقہ مستعلیہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے حروف مطبقہ مستعلیہ بہ نسبت منفتحہ مستعلیہ کے زیادہ پُر ہوتے ہیں ۱۲

[۱۸] انفتاح کی وجہ سے بھی استفال کی طرح حرف باریک ہی ادا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بعض حروف منفتحہ مستعلیہ بھی ہیں۔ جیسا کہ غینؔ، خاؔ اور قافؔ۔ اس لیے استعلاء کی وجہ سے ان حرفوں میں بھی ایک درجہ کی تفخیم آ جاتی ہے۔ پس جو حروف مستعلیہ بھی ہیں اور مطبقہ بھی وہ تو خوب پُر ہوں گے اور جو نہ مستعلیہ ہیں نہ مطبقہ وہ بالکل باریک پڑھے جائیں گے۔ اور جو مستعلیہ تو ہیں اور مطبقہ نہیں وہ پُر تو ہوں گے لیکن مستعلیہ مطبقہ سے کم ۱۲۔

اور مطبقہ کے سوا باقی سب حروف منفتحہ ہیں۔ اور یہ دونوں صفتیں اطباق و انفتاح بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔

(۹) **اذلاق**[۱۹] :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے اُن کو مذلقہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ جلدی سے ادا ہوتے ہیں اور ایسے حروف چھ ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَرَّ مِنْ لُبٍّ یعنی ان میں جو حروف شفویہ ہیں وہ ہونٹ کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں اور شفویہ کا مطلب مخرج نمبر ۱۶ میں گزرا ہے اور جو شفویہ نہیں وہ زبان کے کنارہ سے ادا ہوتے ہیں (دُرّۃ الفرید شیخ الدہلوی)

(۱۰) **اصمات** :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو مصمتہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے۔ اور مذلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں۔ اور یہ دونوں صفتیں اذلاق و اصمات بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ان دس صفات کو صفاتِ متضادہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک دوسرے کی ضد یعنی مقابل ہے جیسا کہ اوپر بتلاتا گیا ہوں۔ آگے جو صفات آتی ہیں وہ غیر متضادہ کہلاتی ہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ سے تو کوئی حرف بچا ہوا نہیں رہتا۔ بلکہ جتنے حروف ہیں ہر حرف پر مقابل صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت صادق آوے گی۔ اور صفات غیر متضادہ بعض حروف میں ہوں گی بعض میں نہ ہوں گی۔ اور صفات غیرِ متضادہ یہ ہیں :

(۱۱) **صفیر**[۲۱] :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو صفیریہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت ایک آواز تیز مثل سیٹی کے نکلتی ہے اور ایسے حروف تین ہیں :۔

---

[۱۹] اذلاق اور اصمات کے متعلق جو کچھ متن کتاب میں لکھا ہے فی الحال اسی کو یاد کر لینا کافی ہے اور ان سے متعلق بحث اگلی کتابوں میں آجائے گی ۱۲

[۲۰] حاشیہ ۵ کے ضمن میں ہم معلمین کو یہ مشورہ دے چکے ہیں کہ صفات لازمہ کے معنی سمجھانے سے پہلے طلبہ کو ان صفات کی لفظی بحث اچھی طرح سمجھا دیں۔ پس اسی بحث کو مؤلف نے یہاں نہایت ہی مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے ۱۲

[۲۱] صفیر کا مطلب تو متن میں بیان ہو ہی چکا ہے۔ یہ صفت ان حرفوں میں ایسی ظاہر اور مشہور ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو حرف ایسے ناقص ادا ہوتے ہیں کہ علم تجوید سے عملی واقفیت رکھنے والا بھی اس نقصان کو محسوس کر لیتا ہے ۱۲

صَ - زَ - سَ ۔

(۱۲) قلقلہ :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ قلقلہ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ حالتِ سکون[۲۲] میں ان کے ادا کے وقت مخرج کو حرکت[۲۳] ہوجاتی ہے اور ایسے حروف پانچ ہیں جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے ۔

(۱۳) لین :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جاوے ان کو حروفِ لین کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کو مخرج سے ایسی نرمی[۲۴] کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان پر مد کرنا چاہے تو کر سکے ۔ ایسے حروف دو ہیں ۔ واؤ ساکن اور یائے ساکن جبکہ ان سے پہلے والے حرف پر فتحہ[۲۵] یعنی زبر ہو جیسے خَوْف وَالصَّيْفِ ۔

(۱۴) انحراف[۲۶] :۔ اور جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اُن کو منحرفہ کہتے ہیں ۔ اور وُہ دو حرف ہیں ۔ لامؔ اور راؔ ۔ اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ ان کے ادا کے وقت لام میں تو زبان کے کنارہ کی طرف اور راؔ میں کچھ زبان کی پشت کی طرف اور کچھ لامؔ کے موقع کی طرف میلان

---

[۲۲] حروفِ قلقلہ جب سکون کی حالت میں ادا ہوتے ہیں تو دوسرے حرفوں کی طرح ان کی آواز میں جماؤ اور قرار نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کا اضطراب سا ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان حرفوں کے ادا ہوتے وقت ایک عضو دوسرے عضو سے ملتا ہے تو ملنے کے بعد پھر جُدا بھی ہو جاتا ہے تو اس جُدا ہونے کی وجہ سے سکون کی حالت میں بھی حرکت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے پس اہلِ فن اسی کیفیت کو قلقلہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور مولانا نے جو یہ فرمایا ہے کہ ان کے ادا ہوتے وقت مخرج کو حرکت ہو جاتی ہے تو اس حرکت سے مُراد بھی وہ اعضاؤں کا آپس میں ملنے کے بعد جدا ہو جانا ہی ہے اور چونکہ اس کیفیت کا احساس سکون ہی کی حالت میں ہوتا ہے ۔ اس لیے مصنفؒ نے حالتِ سکون کا ذکر خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے ورنہ جیسا کہ معلوم ہی ہے کہ قلقلہ صفات لازمہ میں سے ہے ہاں یہ بھی ملحوظ ہے کہ حروفِ قلقلہ سب کے سب مجہورہ شدیدہ ہیں اس لیے قلقلہ کی آواز قوی اور بلند ہونی چاہیے ۱۲

[۲۳] ظاہر ہے کہ ان حرفوں میں مد جب ہی کیا جا سکتا ہے کہ ان کو نہایت نرم ادا کیا جائے ورنہ کشش کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکے گی معلمین کو چاہیے کہ ادا کرکے سمجھا دیں ۱۲

[۲۴] پس اگر واؤ ساکن یا یا ساکن سے پہلے فتحہ نہ ہو یا یہ دونوں سرے سے ساکن ہی نہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں ان کے اندر صفتِ لین نہ ہوگی ۔ اس لیے کہ صفتِ لین حروفِ لین ہی میں پائی جاتی ہے ۔ اور یہ دونوں حروفِ لین اسی وقت کہلاتے ہیں جب ساکن ہوں اور ماقبل مفتوح ہو ۔ اور اس سے وُہ شبہ بھی جاتا رہا کہ جب لین صفاتِ لازمہ میں سے ہے تو پھر یہ ان میں صرف اس ایک حالت میں کیوں پائی

پایا جاوے (درۃ الفرید)

(۱۵) تکریر ف۲۵ ف۲۶ ۔ اور یہ صفت ف۲۷ صرف رآ میں پائی جاتی ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اس کے ادا کرنے کے وقت زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ ف۲۸ ہوتا ہے اس لیے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہیے۔ اگر اس میں تشدید ف۲۹ بھی ہو۔ کیونکہ وہ پھر بھی ایک ہی حرف ہے کئی حرف تو نہیں ہیں (درۃ الفرید ملخصاً)

جاتی ہے۔ فتدبر ۱۲ ف۲۵ یہ صفت بہت ہی غیر واضح سی ہے۔ اس وقت تو متن کی عبارت ہی یاد کر لو اس کی مزید تحقیق اگلی کتابوں میں ان شاء اللہ آ جائے گی ۱۲ ف۲۶ اور اس کو تکرار بھی کہتے ہیں۔ پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ تکرار دو طرح کا ہے ۱۔ تکرار حقیقی ۲۔ مشابہت تکرار۔ تکرار حقیقی کا مطلب تو یہ ہے کہ بجائے ایک را کے دو را اور بجائے دو کے چار رآ ادا ہوں۔ اور مشابہت تکرار یہ ہے کہ رآ تو ایک ہی ہو لیکن اس کو اس طرح زم ادا کیا جائے کہ یوں محسوس ہو کہ حرف گویا دُہرا ادا ہو رہا ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ رآ کے اندر جو صفت ادا ہونی چاہیے اور جو اس کے لیے لازم ہے وہ مشابہت تکرار کی صفت ہے اور تکرار حقیقی صفتِ احترازی ہے یعنی اس سے بچنا چاہیے۔ چنانچہ متن میں پہلے تو تکرار کو صفاتِ لازمہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اور رآ کے لیے اس کو لازم فرمایا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں (۱۵ تکریر اور یہ صفت رآ میں پائی جاتی ہے) اور پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (چونکہ اس کے ادا کرنے کے زبان میں ایک رعشہ یعنی لرزہ ہوتا ہے اس لیے اس وقت آواز میں تکرار کی مشابہت ہو جاتی ہے) پس اس کا مطلب یہی ہوا کہ جو تکرار رآ میں پایا جاتا ہے اس سے مراد مشابہت تکرار ہے اور پھر فرماتے ہیں (اور یہ مطلب نہیں کہ اس میں تکرار ظاہر کیا جاوے بلکہ اس سے بچنا چاہیے) تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ تکرار جس سے بچنے کی ہدایت فرما رہے ہیں مشابہت تکرار نہیں بلکہ تکرار حقیقی ہے کیونکہ مشابہتِ تکرار کو اُوپر خود تسلیم فرما چکے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲ ف۲۷ اور اس صفت کی وجہ سے رآ کو مکررہ کہتے ہیں جیسا کہ ہمس کی وجہ سے مہموسہ اور جہر کی وجہ سے مجہورہ وغیرہ وغیرہ ف۲۸ اس لرزہ سے حقیقی لرزہ مراد نہیں کیونکہ اس سے تو حقیقی تکرار پیدا ہوتا ہے بلکہ اس لرزہ سے مراد یہ ہے کہ سرا زبان تالو کے ساتھ اس قوت اور سختی کے ساتھ نہیں چمٹتا جس قوت اور سختی کے ساتھ طا وغیرہ کے ادا ہوتے وقت چمٹتا ہے اور جس کی وجہ سے آواز مخرج میں بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ پس حقیقی لرزہ سے بھی اور سرا زبان کو تالو کے ساتھ چمٹانے میں مبالغہ کرنے سے بھی دونوں ہی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے ۱۲ ف۲۹ کیونکہ حالت تشدید میں زبان میں لرزہ پیدا ہو کر حقیقی تکرار کے پیدا ہو جانے کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے مصنف نے اس کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے ۱۲ ف۳۰ اور اس صفت کی وجہ سے شین کو متفشی یا حرف تفشی کہتے ہیں ۱۲ ۔

(۱۶) تفشی[30]:- اور یہ صفت حرف شین کی ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی ادا میں آواز مُنہ کے اندر پھیل[31] جاتی ہے۔ (درۃ الفرید)

(۱۷) استطالت[32]:- اور یہ صفت حرف ضاد کی ہے مطلب اس کا یہ ہے[33] کہ اس کے ادا میں شروع مخرج سے آخر مخرج تک یعنی حافۂ زبان کے شروع سے حافۂ زبان کے آخر تک آواز کو امتداد[34] رہتا ہے یعنی اس کا مخرج جتنا طویل ہے پورے مخرج میں آواز جاری رہنے سے آواز بھی طویل ہو جاتی ہے (جہد المقل ملخصاً)، فائدہ نمبر۱ :- اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ سات صفت جو اخیر کی ہیں جن حروف میں یہ صفات نہ ہوں۔ اُن میں ان کی ضد ضرور ہوگی۔ مثلاً ض میں استطالت ہے تو باقی سب حروف میں عدمِ استطالت ہوگی۔ تو یہ دونوں مل کر بھی سب کو شامل[35] ہو گئیں پھر صفاتِ متضادہ وغیر متضادہ میں کیا فرق رہا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تو صحیح[36] ہے مگر صفات متضادہ میں ہر صفت کی ضد کا کچھ نہ کچھ نام بھی تھا[37]۔ اور ان دونوں ناموں میں سے ہر حرف پر کوئی نہ کوئی صادق[38] آتا تھا اور چونکہ یہاں

---

[31] مگر شین کے ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ زبان کی نوک اُوپر کو اُٹھنے نہ پائے ورنہ شین ثے ہو جائے گا اور یہ غلط ہے ۱۲

[32] اور اس صفت کی وجہ سے ضاد کو حرف مستطیل کہتے ہیں ۱۲

[33] اگر اس مضمون کو یُوں ادا کیا جائے کہ ماخذ مع حافۂ زبان سے شروع ہو کر ضاحک مع حافۂ زبان تک تو یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں مخرج کے دونوں جزو آجاتے ہیں ۱۲

[34] یعنی درازی اور مطلب اس درازی کا یہ ہے کہ ضاد کا مخرج چونکہ تمام مخرجوں میں اطول و زیادہ لمبا ہے اس لیے اس کی آواز میں بھی درازی پائی جاتی ہے اور ظاء کی آواز کی طرح قصیر نہیں ہوتی اور استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ضاد اور ظاء میں ممیّز ہے ورنہ باقی تمام صفات میں یہ دونوں شریک ہیں۔ اس لیے دونوں کی آوازیں بھی بہت حد تک باہم متشابہ اور ملتی جلتی ہیں ۱۲

[35] مطلب مؤلف کا یہ ہے کہ اگر یہ شبہ گزرے کہ جس طرح صفاتِ متضادہ کا ہر جوڑا سب حرفوں کو شامل ہوتا ہے اس طرح کہ ہر حرف میں اس کی دو صفتوں میں سے ایک نہ ایک ضرور پائی جاتی ہے اسی طرح استطالت و عدمِ استطالت یہ دونوں مل کر بھی ایک جوڑا ہو جاتا ہے اور متضادہ کی طرح یہ بھی تمام حرفوں کو شامل ہو جاتی ہیں کہ اگر ایک حرف میں استطالت ہے تو باقی اٹھائیس حرفوں میں عدمِ استطالت تو اب متضادہ اور غیر متضادہ میں کوئی فرق نہ رہا تو پھر اصطلاح کیوں بدل گئی کہ ہمس و جہر وغیرہ کو تو متضادہ کہا گیا ہے اور استطالت و صفیر وغیرہ کو غیر متضادہ ۱۲

[36] یعنی یہ بات کہ استطالت و عدمِ استطالت یا قلقلہ اور عدمِ قلقلہ وغیرہ مل کر ایک جوڑا ہو جاتا ہے اور سب کو شامل بھی ہو جاتا ہے ۱۲

[37] جیسا کہ ہمس کی ضد کا نام جہر اور اذلاق کی ضد کا نام اصمات ہے وغیرہ وغیرہ ۱۲

[38] مثلاً فلاں فلاں حرف مہموسہ ہے اور فلاں فلاں مجہورہ یا فلاں فلاں

ضد کا نام نہیں[۳۹] اس لیے اس ضد کے صادق آنے کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ دونوں صفات میں یہ فرق ہوا۔

فائدہ ۲: [۴۰] محض مخارج و صفاتِ حروف کے دیکھ کر اپنی ادا کے صحیح ہونے کا یقین نہ کر بیٹھے اس میں ماہر مشّاق اُستاد کی ضرورت ہے۔ البتہ جب تک ایسا استاد میسّر نہ ہو بالکل کورا رہنے سے کتابوں ہی سے کام چلانا غنیمت ہے۔ فائدہ ۳: اس لمعہ کے شروع میں صفت لازمہ ذاتیہ کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی نہ رہے اور یہ حرف نہ رہنا کئی طرح ہے۔ ایک یہ کہ [۴۱] دوسرا حرف ہو جاوے۔ ایک یہ کہ رہے تو وہی مگر اس میں کچھ کمی اور نقصان[۴۲] آ جاوے۔ ایک یہ کہ وہ کوئی عربی حرف نہ رہے۔ کوئی حرف مخترع[۴۳] ہو جاوے۔ وہی حال ہے صحیح مخارج سے نکالنے[۴۴] کا کہ کبھی دوسرا حرف[۴۵] ہو جاتا ہے کبھی اس حرف میں کچھ کمی[۴۶] ہو جاتی ہے کبھی بالکل ہی حرف مخترع[۴۷] بن جاتا ہے۔ چونکہ ایسی غلطی[۴۸]

مستعلیہ ہے اور فلاں فلاں مستفلہ ۱۲

[۳۹] یعنی یہ کہ صفاتِ متضادہ میں تو دونوں ضدوں کا نام واقعتہً ہوتا ہے لیکن غیر متضادہ میں کسی متقابل صفت کا نام نہیں ہوتا۔ چنانچہ شدت کے مقابلہ میں رخاوت کا نام تو ہے لیکن قلقلہ کے مقابلہ میں کسی صفت کا نام نہیں جس کو ہم قلقلہ کی ضد کہہ سکیں خوب سمجھ لو ۱۲

[۴۰] اس فائدہ کے ضمن میں مصنف نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ تجوید صرف کتابوں ہی کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ یہ فن اساتذہ کی زبان سے سُننے اور پھر اس کے موافق ادا کرنے کی مشق سے حاصل ہوتا ہے۔ ہاں جب تک استاد میسّر نہ آسکے اس وقت تک کتابوں ہی سے استفادہ کرتا رہے تاکہ اگر کُلی نہیں تو کم از کم علم سے تو محروم نہ رہے ۱۲

[۴۱] مثلاً صاد میں استعلا اور اطباق ادا نہ کی جائیں تو وہ سین ہو جائے گا جیسا کہ عصٰی کے بجائے عسٰی۔ اور یہی حال طا اور ظا کا بھی ہے کہ ان صفتوں کے ان میں ادا نہ کرنے سے طا، تا اور ظا، ذال ہو جاتا ہے ۱۲

[۴۲] مثلاً اگر قاف اور غین و خا میں صفت استعلا ادا نہ کی جائے تو یہ حروف باریک ہو کر نہایت ناقص ادا ہوں گے ۱۲

[۴۳] مخترع سے مُراد غیر عربی حرف ہے جس کو جیم اور با۔ عربی کا فارسی کی (چ اور پ) کے ساتھ مقابلہ کر کے سمجھایا جا سکتا ہے چنانچہ دُبُّلے جیسی مثالوں میں احقر کا مشاہدہ ہے کہ بعض اس کی با میں (پ) کی آمیزش کر دیتے ہیں واللہ اعلم ۱۲

[۴۴] ظاہر ہے کہ جب صفات کی رعایت نہ رکھنے سے حرف کی ادا میں اتنی بھاری غلطی ہو جاتی ہے تو صحیح مخارج نہ نکالنے کی صورت میں تو اس کا امکان اور بھی زیادہ ہے ۱۲

[۴۵] مثلاً قاف کو اگر زبان کی جڑ کے شروع سے نکالنے کی بجائے ذرا نیچے سے نکالا جائے تو ظاہر ہے کہ بجائے قاف کے کاف ادا ہوگا ۱۲

[۴۶] مثلاً ضاد کی ادائیگی میں حافہ کو اگر بجائے پانچ داڑھوں کے چار یا تین داڑھوں سے لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے حرف میں مخرج کے لحاظ سے کمی ہو جائے گی ۱۲

[۴۷] حرف کس طرح مخترع ہو جاتا ہے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے ان تمام حرفوں کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے جن میں صفت یا

سے بعض دفعہ نماز جاتی رہتی ہے۔ اس لیے اگر ایسی غلطی ہو جاوے تو خاص اس موقع سے اطلاع دے کر کسی معتبر عالم[۴۹] سے مسئلہ پوچھ لینا ضروری ہے۔ اسی طرح زیر زبر یا گھٹاؤ بڑھاؤ کی غلطیوں کا بھی یہی حکم[۵۰] ہے جس کی مثالیں دوسرے لمعہ میں مذکور ہیں اُن کو بھی کسی عالم سے پوچھ لیا کریں۔

فائدہ ۱۳: حروف کے مخارج اور صفاتِ لازمہ میں کوتاہی ہونے سے جو غلطیاں ہوتی ہیں فنِ تجوید کا اصلی مقصود[۵۱] انہی غلطیوں سے بچنا ہے۔ اسی واسطے مخارج اور صفات کا بیان سب قاعدوں سے مقدم[۵۲] کیا گیا ہے۔ اب آگے جو صفاتِ محسنہ کے متعلق قاعدے آویں گے۔ وُہ اس مقصودِ مذکور سے دوسرے درجہ[۵۳] پر ہیں لیکن عام طور سے ان دوسرے درجے کے قاعدوں کی رعایت اس اصلی مقصود سے زیادہ کی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان قاعدوں سے نغمہ[۵۴] خوش نما ہو جاتا ہے اور لوگ نغمہ ہی کا زیادہ خیال کرتے ہیں اور مخارج و صفاتِ لازمہ کو نغمہ میں کوئی دخل نہیں۔ اس لیے اس کی طرف توجہ کم کرتے ہیں۔

مخرج کا لحاظ نہ رکھنے سے حرف عجمی ہو جاتا ہے۔ با، جیم اور کاف میں یہ غلطی اکثر ہے۔ کیونکہ جس طرح با میں (پ) کا اور جیم میں (چ) کا اثر آ جاتا ہے اسی طرح قاف میں کاف کا اثر آ جاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے ۱۲ ۴۸ھ یعنی جو حرف کو صحیح مخرج سے نہ نکالنے یا اس کی صفاتِ لازمہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کی اُوپر بہت سی مثالیں اس سے پہلے کے مسلسل کئی حواشی میں گذر چکی ہیں ۱۲ ۴۹ھ یعنی فقیہ سے کیونکہ نماز کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے مسائل کتبِ فقہ ہی میں مذکور ہوتے ہیں ۱۲ ۵۰ھ یعنی ان غلطیوں سے بھی بعض دفعہ نماز ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہ بھی لحنِ جلی میں داخل ہے جیسا کہ دوسرے لمعہ میں گذر چکا ہے ۱۲ ۵۱ھ اس لیے کہ یہ بھاری غلطیاں ہیں کیونکہ ان سے لفظ اور معنی دونوں ورنہ کم از کم لفظ تو ضرور ہی متاثر ہو جاتا ہے جن کی صورتیں اور مثالیں دوسرے لمعہ میں بیان ہو چکی ہیں ۱۲ ۵۲ھ یعنی ان سب قاعدوں سے جن کا تعلق حروف کی ادا سے ہے۔ ورنہ تجوید کی تعریف، لحن کی صُورتیں، اعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کا موقع، یہ چیزیں تو مخارج اور صفات کو دوسرے سب قاعدوں پر جو مقدم کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہی دو چیزوں کی تصحیح کی بدولت لحنِ جلی سے بچا جا سکتا ہے اور لحنِ جلی سے بچنا تجوید کا مقصدِ اعظم ہے ۱۲ ۵۳ھ کیونکہ ان کی رعایت نہ رکھنے سے لحنِ جلی لازم نہیں آتی صرف لحنِ خفی لازم آتی ہے ۱۲ ۵۴ھ صفاتِ عارضہ سے نغمہ اس لیے خوشنما ہو جاتا ہے کہ ان میں بعض صفات مثلاً غنّہ اور مدّ ایسی ہیں جن کی وجہ سے آواز میں ترنّم پیدا کرنے کی گنجائش ہوتی ہے بخلاف صفاتِ لازمہ کے کہ وُہ چونکہ حروف کی ذات کے ساتھ ہی ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ان میں یہ گنجائش نہیں ہوتی۔ اور مخارج کا نغمہ میں دخل نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن اس گنجائش سے غلط فائدہ اٹھا کر ترنّم

فائدہ ۵ م۵ :۔ جس طرح یہ بے پروائی کی بات ہے کہ تجوید میں کوشش نہ کرے، اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ تھوڑے سے قاعدے یاد کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر اور ان کی نماز کو فاسد جاننے لگے یا کسی کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھے[55] محقق عالموں نے عام مسلمانوں کے گناہ گار ہونے کا اور ان کی نمازوں کے درست نہ ہونے کا حکم[56] نہیں کیا۔ اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا ان علماء کا کام ہے جو قراءت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ فقہ اور حدیث پر بھی[57] نظر رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے[58] لمعہ میں دیکھ لو۔

میں ایسا مبالغہ کرنا جس سے غنوں کی مقدار میں توازن قائم نہ رہ سکے یا حرف مدّہ کی آواز میں جھٹکے لگنے سے ہمزات پیدا ہو جائیں۔ یہ سب باتیں معیوب اور غلط ہیں ۱۲

[55] مصنفؒ چونکہ صرف قاری اور عالم ہی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصلاحِ باطن میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال بخشا تھا۔ اس لیے وُہ طلبائے تجوید کو عُجب اور خود پسندی جیسی مہلک بیماری سے بچنے کی ہدایت فرما رہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ نماز کے فساد و عدمِ فساد کا مسئلہ معلوم کرنے کے لیے عُلماء سے رجوع کرنا چاہیے کیونکہ محقق عُلماء جب کوئی فتویٰ صادر کرتے ہیں تو عمومِ نبویٰ کا لحاظ رکھ کر صادر کرتے ہیں ۱۲

[56] کیونکہ اس سے حرج لازم آتا ہے۔ ہاں اگر امام قراءت میں فاحش غلطیاں کرتا ہے اور مقتدی ماہرِ تجوید اور ایک مشّاق قاری ہے تو ایسے مقتدی کی نماز پر صحت کا حکم لگانا واقعی مشکل ہے کیونکہ رکوع، سجود اور قیام وغیرہ کی طرح قراءت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ ایسی صورت میں غلطی سے مطلع کر کے کسی مفتی اور فقیہ سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲

[57] کیونکہ اگر فقہ اور حدیث پر نظر نہیں ہے اور محض قاری ہی ہے تو ذرا ذرا سی غلطی پر فسادِ نماز کا حکم لگائے گا۔ اور اگر فقہ اور حدیث پر تو نظر ہے لیکن قراءت نہیں جانتا تو بڑی بڑی غلطیوں کو بھی غلطی نہیں سمجھے گا۔ اور قرآن مجید کے کھلا غلط پڑھے جانے پر بھی فسادِ نماز کا حکم نہیں لگائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ:

(اس میں اعتدال کا درجہ قائم کرنا عُلماء کا کام ہے جو قراءت کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ساتھ فقہ اور حدیث پر نظر رکھتے ہیں)۔ اور یہ بہت عُمدہ فیصلہ ہے۔ فللّٰہ درّہ ۱۲

[58] یعنی وہاں بھاری اور ہلکی دونوں قسم کی غلطیوں کی الگ الگ تعریف اور حقیقت بیان کی گئی ہے اور ہر ایک کی مثالیں اور اس کا حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے ۱۲۔

چھٹا لمعہ ۔ صفاتِ محسنہ محلیہ[1] کے بیان[2] میں

جاننا چاہیے کہ یہ صفات سب حرفوں[3] میں نہیں ہوتیں۔ صرف آٹھ حرف ہیں جن میں مختلف حالتوں[4] میں مختلف صفات کی رعایت ہوتی ہے۔ وُہ حروف یہ ہیں: ل۔ ر۔ م ساکن و مشدد[5]۔ ن[6] ساکن و مشدد اور نون ساکن میں تنوین بھی داخل ہے۔ کیونکہ وُہ اگرچہ لکھنے میں نون نہیں ہے مگر پڑھنے میں نون ہے جیسے باً ر اگر دو زبر پڑھو تو ایسا ہو گا جیسے بَن۔ پڑھو الف جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے۔ وٗ ساکن جبکہ اُس سے پہلے پیش یا زبر ہو۔ یٗ ساکن جبکہ اس سے پہلے

حواشی لمعہ ششم

[1] محسنہ اور محلیہ یہ دونوں صفاتِ عارضہ کے نام ہیں۔ پانچویں لمعہ کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں (۱) صفاتِ لازمہ (۲) صفاتِ عارضہ۔ اور وہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ لازمہ کو ذاتیہ۔ ممیزہ۔ مقومہ اور عارضہ کو محسنہ۔ محلیہ اور مزتینہ بھی کہتے ہیں۔ پس پانچویں میں تو مصنفؒ نے صفاتِ لازمہ بیان فرمائی ہیں اور اب اس چھٹے لمعہ میں صفاتِ عارضہ کا بیان شروع فرما رہے ہیں ۱۲

[2] مگر یہ ملحوظ ہے کہ مصنفؒ نے اس لمعہ میں صفاتِ عارضہ بیان نہیں فرمائیں بلکہ ان کے متعلق صرف ایک ضروری تمہید ہی بیان فرمائی ہے جس میں ان کو عارضہ کہنے کی وجہ اور یہ کہ یہ صفات کتنے اور کون کونسے حرفوں میں اور ان حرفوں کی کن کن حالتوں میں پائی جاتی ہیں اس قسم کی چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ وُہیں خود صفاتِ عارضہ اور ان کی پُوری تفصیل سو یہ چیزیں آئندہ ساتویں سے بارہ تک کے چھ لمعوں میں آ رہی ہیں ۱۲

[3] مطلب یہ ہے کہ جس طرح صفات لازمہ تمام حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور کوئی حرف ان سے خالی نہیں ہوتا اس طرح صفاتِ عارضہ کا حال نہیں بلکہ یہ صرف بعض حرفوں میں پائی جاتی ہیں ۱۲

[4] اسی سے ان صفات کے عارضہ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ صفات عارضہ ایسی ہی صفات ہیں جو حرف کی سب حالتوں میں نہ ہوں۔ بلکہ بعض میں ہوں اور بعض میں نہ ہوں۔ اور یہاں مختلف کے معنی بعض ہی کے ہیں ۱۲

[5] میم اور نون کے ساتھ ساکن اور مشدد کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تا کہ متحرک غیر مشدد نکل جائے۔ کیونکہ نون اور میم اگر متحرک غیر مشدد ہوں جیسے نَحۡنُ اور مُؤۡمِنِیۡنَ وغیرہ۔ تو اس حالت میں ان میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں اور یہی معنی ہیں عارضہ کے کہ ایک حالت میں ہوں اور دوسری حالت میں نہ ہوں ۱۲

[6] پس اگرچہ نون ساکن اور تنوین میں یہ فرق ہے کہ پہلا لکھنے میں بھی آتا ہے اور پڑھنے میں بھی۔ اور تنوین پڑھنے ہی میں آتا ہے لکھنے میں نہیں آتا لیکن چونکہ علم تجوید میں تلفظ ہی سے بحث ہوتی ہے۔ اس لیے تلفظ کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں پر ایک ہی قسم کے احکام

زیر یا زبر ہو[۵۷]۔ دیکھو لمعہ ۳ مخرج ۱۰-۶ اور ہمزہ کی حقیقت[۵۸] مخرج اوّل میں بیان کی گئی ہے۔ پھر دیکھ لو۔ اور ان حرفوں میں جو ایسی صفات[۵۹] ہوتی ہیں۔ اُن میں بعض صفات تو خود اُستاد کے پڑھانے[۶۰] ہی سے ادا ہو جاتی ہیں۔ اُن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً الف اور واؤ اور یا اور ہمزہ کا کہیں ثابت[۶۱] رہنا اور کہیں حذف ہو جانا۔ صرف ان صفات کو بیان کیا جاتا ہے جو پڑھنے[۶۲] سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ خود ارادہ کرنا پڑتا ہے جیسے پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا اور غنہ کرنا، یا نہ کرنا اور مد کرنا یا نہ کرنا۔ اب ان آٹھوں[۶۳] حرفوں کے قاعدے الگ[۶۴] الگ ذکر کرتے ہیں۔

کیے گئے ہیں ۱۲

[۵۷] مطلب یہ ہے کہ جب یہ حرف مدہ یا لین ہوں۔ پس واؤ اور یاء کے متحرک ہونے کی صورت میں ان میں صفت عارضہ نہیں پائی جاتی ۱۲

[۵۸] یعنی یہ کہ ہمزہ متحرک ہو یا ساکن ہمیشہ جھٹکا کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جیسا کہ مخرج ۱۰ کے ذیل میں اَلْحَمْدُ اور بَأْسٌ کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے ۱۲

[۵۹] یعنی صفات محسنہ محلیہ ۱۲

[۶۰] اس کا مطلب یہ ہوا کہ صفاتِ عارضہ دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن کے سمجھانے کے لیے اُستاد کو کوئی قاعدہ بیان نہیں کرنا پڑتا۔ بس اُستاد پڑھ کر بتلا دیتا ہے اور شاگرد اس کی پیروی میں اسی طرح ادا کر دیتا ہے اور اس کو یاد کر لیتا ہے۔ اور دوسری قسم کی صفات وہ ہیں جن کے سمجھانے کے لیے استاد کو قاعدہ بیان کرنا پڑتا ہے اور قاعدہ معلوم ہوئے بغیر ان کے موافق عمل نہیں ہو سکتا۔ پس رسالہ ہذا میں صرف دوسری قسم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ وضاحت ہم نے متن کے الفاظ کو سامنے رکھ کر کی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرح کی صفات سمجھانے کے لیے قاعدے بیان کرنے ہی پڑتے ہیں۔ چنانچہ حروف مدہ اور ہمزہ کا کہیں ثابت رہنا اور کہیں حذف ہو جانا یا ہمزہ کو کہیں تسہیل سے پڑھنا اور کہیں حرفِ مد سے بدل دینا وغیرہ وغیرہ یہ تمام قاعدے فن کی دوسری کتابوں میں باقاعدہ طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے سمجھنے کے لیے ہمزہ کے اقسام اور اس کے احکام وغیرہ کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا محل صرف کی کتابیں ہیں اور یہ رسالہ مولانا نے ہر خاص و عام کے لیے تالیف فرمایا ہے۔ اس لیے اس قسم کی صفات رسالہ ہذا میں بیان نہیں کیں اور یہ جو فرمایا ہے کہ یہ صفات اُستاد کے پڑھانے سے ہی ادا ہو جاتی ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں ان حرفوں کا حذف یا اثبات ہے وہاں عام طور پر حفاظ کو یاد بھی قاعدہ کے موافق ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے برخلاف تفخیم و ترقیق مد اور غنہ وغیرہ یہ صفات ایسی ہیں جن کے ادا کرنے کے لیے ارادہ کرنا پڑتا ہے اور پہلے سے ان کے موافق یاد نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی ان کے سمجھنے کے لیے عربی پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۱۲

[۶۱] ثابت رہنے کی مثالیں یہ ہیں: عَلَيْنَا الْقِتَالُ - فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ - قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور حذف کی مثالیں یہ ہیں: تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فِي الْاَرْضِ وَقَالَا

ساتواں لمعہ۔ لام کے قاعدوں میں[1]

لفظ اللہ کا جو لام ہے اس سے پہلے اگر زبر والا یا پیش والا حرف ہو تو اس لام کو[2] پُر کرکے پڑھیں گے جیسے اَرَادَ اللّٰهُ۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ اور اس پُر کرنے کو تفخیم کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے زیر والا حرف ہو تو اُس لام کو باریک[3] پڑھیں گے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ اور اس باریک پڑھنے کو ترقیق کہتے ہیں۔ اور لفظ اللہ کے سوا جتنے لام ہیں سب باریک پڑھے جاویں گے جیسے مَا وَلّٰهُمْ[4] اور کُلُّهٗ۔

تنبیہ:- اَللّٰهُمَّ میں بھی یہی قاعدہ ہے جو اللہ میں ہے کیونکہ اس کے اوّل میں بھی یہی لفظ اللہ ہے[5]۔

اَلْحَمْدُ پس غور کرو کہ پہلی تین مثالوں میں تو الف، واوٗ، یا، اور ہمزہ پڑھے جاتے ہیں اور دوسری تین میں نہیں پڑھے جاتے۔ ان میں یہ فرق کیوں ہے۔ اور اس کی کیا وجہ ہے۔ بس اسی فرق کا سمجھنا عربی جاننے پر موقوف ہے اور اسی لیے مولانا نے ان قاعدوں کو نظر انداز فرما دیا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲

[12] مجموعہ ان آٹھ حرفوں کا جن کے قاعدے آئندہ چھ لمعوں میں بیان ہونے والے ہیں اَدْبَرَ مَلَاَنْ ہے اور ان کے قاعدے یہ ہیں۔ تفخیم۔ ترقیق۔ ادغام۔ اقلاب۔ اخفاء۔ غنہ۔ مد اور تسہیل اور صفاتِ عارضہ بھی انہیں کو کہتے ہیں۔ اور ادغام و اخفاء کے ساتھ اظہار کا اور مد کے ساتھ قصر کا اور تسہیل کے ساتھ تحقیق کا ذکر بھی آئے گا ۱۲

[13] اس طرح کہ الف۔ واؤ اور یاء ان تینوں حرفوں کے قاعدے تو ایک ہی لمعہ میں بیان کیے گئے ہیں اور باقی پانچ حرفوں یعنی لاَم۔ رَاء۔ نُوْن۔ مِیْم اور ہمزہ میں سے ہر ایک کے ایک ایک لمعہ میں ۱۲

حواشی لمعہ ہفتم

[1] جیسا کہ ابھی اُوپر چھٹے لمعہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ جن آٹھ حرفوں میں صفاتِ عارضہ پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک لاَم بھی ہے اور چونکہ لاَم کا بیان سب سے مختصر تھا اس لیے مصنف رح نے سب سے پہلے اسی قاعدہ کا بیان فرمایا ہے ۱۲

[2] یعنی منہ بھر کے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو اندر سے اُوپر کے تالو کی طرف بلند کر لیا جاتا ہے اور بس تفخیم میں ہونٹوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا ۱۲

[3] یعنی منہ بھرے بغیر جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زبان کو اُوپر کے تالو کی طرف بلند نہیں کرتے ۱۲

[4] پس یہ وَلّٰی فعل ماضی اور هُمْ ضمیر منصوب منفصل سے مرکب ہے بعض لوگ نادانی سے اس کو بھی وَاللّٰهُمَّ کی طرح پُر پڑھ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے رسم الخط میں بھی بہت بڑا فرق ہے جس سے ان کا دو الگ الگ لفظ ہونا بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے ۱۲

[5] پس لفظ اللہ اور اَللّٰهُمَّ کا ایک ہی حکم ہے جو کتاب میں بیان کیا گیا ہے اور اَللّٰهُمَّ کی مثالیں یہ ہیں مَرْیَمَ اَللّٰهُمَّ اور قَالُوا اللّٰهُمَّ اور قُلِ اللّٰهُمَّ پس پہلی دو مثالوں میں تو لاَم پُر ہوگا اور تیسری میں باریک ۱۲

آٹھواں لمعہ۔ رآء[1] کے قاعدوں میں

قاعدہ ۱:۔ اگر رآء پر زبر یا پیش ہو تو اس رآء کو تفخیم سے یعنی پُر پڑھیں گے جیسے رَبَّكَ، رُبَمَا اور اگر رآء پر زیر ہو تو اس کو ترقیق سے یعنی باریک پڑھیں گے جیسے رِجَالٌ۔ **تنبیہ** رآء مشدد بھی ایک رآء ہے۔ پس خود اس کی حرکت[2] کا اعتبار کر کے اس کو پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے (سِرًّا) کی رآء کو پُر پڑھیں گے اور (دُرِّیٌّ) کی رآء کو باریک اور اس کو اگلے قاعدے (۲) میں داخل[3] نہ کریں گے جیسے بعض ناواقف اس کو دو رآء سمجھتے ہیں پہلی ساکن اور دوسری متحرک یہ غلطی ہے۔

قاعدہ ۲:۔ اگر رآء ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھو کہ اس پر کیا حرکت ہے اگر زبر یا پیش ہو تو اس رآء کو پُر پڑھیں گے جیسے بَرْقٌ۔ يُرْزَقُوْنَ) اور اگر زیر ہے تو اس رآء کو باریک پڑھیں گے جیسے اَنْذِرْهُمْ لیکن ایسی[4] رآء کے باریک ہونے کی تین شرطیں ہیں، ایک شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اصلی ہو عارضی[5] نہ ہو کیونکہ اگر عارضی ہوگا۔ تو پھر رآء باریک نہ ہوگی جیسے اِرْجِعُوْٓا

حواشی لمعہ ہشتم

[1] لام اور رآء ان دونوں حرفوں کے قاعدے چونکہ ایک ہی طرح کے ہیں کہ یہ دونوں بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں باریک۔ اس لیے مصنفؒ لام کے بعد اب رآء کے قاعدے بیان فرما رہے ہیں۔ مگر رآء کا بیان چونکہ کافی لمبا ہے اور اس کے قاعدے بھی زیادہ ہیں۔ اس لیے اگر ان قاعدوں کو پڑھتے وقت اگر دو باتیں ذہن میں رکھی جائیں تو اُمید ہے کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ ایک بات تو یہ رآء اگر متحرک ہو تو اس کو خود اپنی حرکت کے لحاظ سے۔ اور اگر ساکن ہو تو اس سے پہلے والے حرف کی حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک پڑھتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ رآء پیش اور زبر کی وجہ سے پُر پڑھی جاتی ہے اور زیر کی وجہ سے باریک پس یہ دونوں باتیں ذہن میں رہنی چاہئیں۔ تاکہ آئندہ بیان ہونے والے قاعدے آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہوتے چلے جائیں ۱۲

[2] مطلب یہ ہے کہ رآء مشدد کو دو حرف سمجھ کر اس طرح کہ پہلے حصہ کو ساکن اور دوسرے کو متحرک۔ پھر ساکن کو تو حرف ماقبل کے تابع رکھ کر اور متحرک کو خود اس کی حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک نہیں پڑھنا چاہیے۔ بلکہ اس کو ایک ہی حرف سمجھ کر خود اس کی حرکت کے لحاظ سے اس پر تفخیم یا ترقیق کا حکم جاری کرنا چاہیے ۱۲

[3] کیونکہ اگلے قاعدوں میں یہ چیز بیان کی گئی ہے کہ رآء ساکن کو پُر اور باریک پڑھنے کے لیے حرف ماقبل کی حرکت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ لہذا رآء مشدد کو اس قاعدہ میں داخل نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اس کا حکم وہی ہے جو قاعدہ ۱ میں بیان ہو چکا ہے ۱۲

[4] یعنی رآء ساکن ماقبل مکسور ۱۲

[5] زیر عارضی دو موقعوں میں آتا ہے

دیکھو رآء ساکن بھی ہے اور اس سے پہلے حرف یعنی ہمزہ پر زیر بھی ہے۔ مگر چونکہ یہ زیر عارضی[۵۶] ہے اس لیے اس رآء کو پُر پڑھیں گے لیکن بدوں عربی پڑھے ہوئے اس کی پہچان[۵۷] نہیں ہو سکتی کہ کسرہ یعنی زیر اصلی کہاں ہے اور عارضی کہاں ہے جہاں جہاں شبہ[۵۸] ہو کسی عربی داں سے پوچھ کر اس قاعدے پر عمل کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کسرہ اور یہ رآء دونوں ایک کلمہ میں ہوں۔ اگر دو کلمہ میں ہوں گے تو بھی رآء باریک نہ ہوگی جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ[۵۹] اَمِ ارْتَابُوْا[۶۰] فدۃ الفرید اور اس شرط کا پہچاننا بہ نسبت پہلی شرط کے آسان ہے۔ کیونکہ کلموں کا ایک یا دو ہونا اکثر ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس رآء کے بعد اُسی کلمہ[۶۱] میں حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ہو۔ اگر ایسا[۶۲] ہو گا تو پھر رآء کو پُر پڑھیں[۶۳] گے۔ اور ایسے حروف سات ہیں جن کا بیان پانچویں لمعہ[۶۴] کے نمبر ۵ میں آ چکا ہے۔ جیسے قِرْطَاسٍ۔ اِرْصَادًا۔ فِرْقَةٍ۔ لَبِالْمِرْصَادِ۔

ایک وہ جو ہمزہ وصلی پر ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اجتماع ساکنین کی وجہ سے پہلے ساکن کو دیا جاتا ہے۔ اور ان دو کے ماسوا ہر زیر اصلی ہے۔ دونوں قسم کے عارضی کسرہ کی مثالیں آگے متن میں آ رہی ہیں ۱۲

[۵۶] چونکہ یہ زیر ہمزہ وصلی پر ہے اور ہمزہ وصلی عارضی ہوتا ہے اس لیے کہ یہ ابتدا کی حالت میں ثابت رہتا ہے اور وصل کی حالت میں گر جاتا ہے پس جب حرف ہی عارضی ہوا تو اس کی حرکت بدرجہ اولیٰ عارضی ہوگی واللہ اعلم ۱۲

[۵۷] کیونکہ عربی پڑھے بغیر نہ تو ہمزہ وصلی کی پہچان ہو سکتی ہے اور نہ ہی اجتماع ساکنین کا پتہ چلتا ہے اور زیر عارضی ان ہی دو چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ حاشیہ ۵۵ میں بیان ہوا ۱۲

[۵۸] وہ تمام کلمات جن میں رآء ساکن سے پہلے کسرہ عارضی یا کسرہ منفصل ہے۔ ہم نے کتاب معلم التجوید میں ایک جدول میں درج کر دیئے ہیں اور ہر کلمہ کے ساتھ سورت اور پارہ کا رکوع نمبر بھی لکھ دیا ہے ۱۲-

[۵۹] کیونکہ رَبِّ الگ کلمہ ہے اور ارْجِعُوْنِ الگ۔ اس لیے ارْجِعُوْنِ کی رآء رآء کے کسرہ کی وجہ سے باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہی پڑھی جائے گی ۱۲

[۶۰] اس میں میم کا کسرہ عارضی بھی ہے اور منفصل بھی۔ منفصل اس لیے کہ اَمْ الگ کلمہ ہے اور ارْتَابُوْا الگ۔ اور عارضی اس لیے کہ اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ہے اور اس قسم کا کسرہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ اجتماعِ ساکنین کے مسائل اور ہمزہ کے احکام دونوں چیزیں معلم التجوید میں پڑھ لوگے ان شاء اللہ ۱۲-

[۶۱] یعنی جس کلمہ میں رآء ہے ۱۲

[۶۲] یعنی رآء ساکن ماقبل مکسور کے بعد اگر اسی کلمہ میں حرف مستعلیہ ہوگا ۱۲

[۶۳] خواہ اس رآء سے پہلے کسرہ اصلی اور متصل ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس قاعدہ کی متن میں مذکور چاروں مثالوں میں یہی صورت ہے لیکن اس پر بھی بعد کے مستعلیہ کی وجہ سے رآء پُر پڑھی جاتی ہے ۱۲

[۶۴] یعنی وہاں ان سات حرفوں کا مجموعہ بیان ہو چکا ہے۔ اگر یہ مجموعہ یاد نہ رہا ہو تو وہاں دیکھ لو ۱۲ -

اِن سب میں رآء کو پُر پڑھیں گے۔ اور تمام قرآن مجید میں اس قاعدہ کے یہی چار لفظ پائے جاتے ہیں۔ اور ویسے بھی اس کا پہچاننا آسان[15] ہے (تنبیہ ۱) تیسری شرط کے موافق لفظ کُلُّ فِرْقٍ کی رآء میں بھی تفخیم[16] ہوگی۔ لیکن چونکہ قاف پر بھی زیر ہے۔ اس لیے بعض قاریوں کے نزدیک اس میں ترقیق ہے اور دونوں[17] امر جائز ہیں۔ (تنبیہ ۲) تیسری شرط میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی رآء کے بعد اُسی کلمہ میں حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہوگا۔ تو اُس کو پُر پڑھیں گے۔ تو اُسی کلمہ کی قید اس لیے لگائی کہ دوسرے کلمہ میں حروف مستعلیہ کے ہونے کا اعتبار نہ کریں گے جیسے اَنْذِرْ[18] قَوْمَكَ ۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا میں رآء کو باریک ہی پڑھیں گے۔ (قاعدہ ۳) :- اور اگر رآء ساکن سے پہلے والے حرف پر حرکت نہ ہو وُہ بھی ساکن ہو۔ اور ایسا[19] حالتِ وقف میں ہوتا ہے جیسا ابھی مثالوں میں دیکھو گے۔ تو پھر اُس حرف سے پہلے والے حرف کو دیکھو۔ اگر اُس پر زبر یا پیش ہو تو رآء کو پُر پڑھو گے جیسے لَیْلَةُ الْقَدْرِ۔ بِكُمُ الْعُسْرَ کہ اُن میں رآء بھی ساکن اور دال اور سین بھی ساکن اور قاف پر زبر اور عین پر پیش ہے۔ اس لیے ان دونوں کلموں کی رآء کو پُر پڑھیں گے۔ اور اگر اس پر زیر ہے تو رآء کو باریک پڑھو جیسے ذِی الذِّكْرِ کہ رآء بھی ساکن اور کاف بھی ساکن اور ذآل پر زیر ہے اسلئے اِس رآء کو باریک پڑھیں گے (تنبیہ ۱) لیکن اس رآء ساکن سے پہلے جو حرف ساکن ہے۔ اگر یہ حرف ساکن یؔ ہو تو پھر یؔ سے پہلے والے حرف کو مت دیکھو پس رآء[20] کو ہر حال میں باریک پڑھو خواہ یؔ سے پہلے کچھ ہی حرکت ہو جیسے خَیْرٌ۔ قَدِیْرٌ کہ ان دونوں رآء کو باریک ہی

---

[15] کیونکہ یہ بات بہت ہی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ رآء کے بعد حرف مستعلیہ ہے یا حرف مستفلہ ۱۲۔

[16] کیونکہ رآء ساکنہ کے بعد اسی کلمہ میں قاف ہے جو کہ حروف مستعلیہ میں سے ہے ۱۲

[17] یعنی تفخیم و ترقیق اور اس کو خُلف کہتے ہیں ۱۲

[18] کیونکہ اَنْذِرْ الگ کلمہ ہے اور قَوْمَكَ الگ اور فَاصْبِرْ صَبْرًا میں بھی یہی صورت ہے اور اس قاعدہ کی ایک مثال اور بھی پائی گئی ہے یعنی وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لقمان ع ۲ میں ۱۲

[19] یعنی یہ کہ رآء اور اس سے پہلے والا حرف دونوں ساکن ہوں کیونکہ وصل میں اس طرح کے دو ساکنوں کا اکٹھا ہونا جائز نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ اس قاعدہ کی مثالوں پر اگر وقف نہ کیا جائے بلکہ بعد والے کلموں سے ملا کر پڑھا جائے تو اب ان کی رآء ساکن نہ پڑھی جائے گی بلکہ متحرک ادا ہوگی خوب سمجھ لو ۱۲

[20] یعنی خواہ فتحہ ہو خواہ کسرہ جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے اور ہر حال کا مطلب بھی یہی ہے۔ رہا ضمہ تو وُہ یاء ساکن سے پہلے آتا ہی نہیں ۱۲۔

پڑھیں گے (تنبیہ نمبر ۲) اس قاعدہ نمبر ۲ کے موافق لفظ مِصْرَ اور عَیْنَ الْقِطْرِ پر جب وقف کیا جائے تو راء کو باریک ہونا چاہیے[۲۱] مگر قاریوں نے ان دونوں لفظوں کی راء کو باریک اور پُر دونوں طرح پڑھا ہے۔ اور اسی لیے دونوں[۲۲] طرح پڑھنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ خود راء پر جو حرکت ہو اس کا اعتبار کیا جاوے[۲۳] پس مصر میں تفخیم اولیٰ ہے کہ راء پر زبر ہے اور اَلْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے کہ راء پر زیر ہے۔ (تنبیہ نمبر ۳) اس قاعدہ نمبر ۳ کی بنا پر سورۂ وَالْفَجْرِ میں اِذَا یَسْرِ پر جب وقف ہو اس کی راء کو مُفَخَّم[۲۴] ہونا چاہیے لیکن بعض قاریوں نے اس کے باریک پڑھنے[۲۵] کو اولیٰ لکھا ہے مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ اس لیے اس راء کو قاعدہ مذکورہ کے موافق پُر ہی پڑھنا چاہیے۔ قاعدہ نمبر ۴ راء کے بعد قرآن مجید میں ایک جگہ میں امالہ[۲۶] ہے تو راء کی اس حرکت کو زیر سمجھ کر راء کو باریک پڑھیں[۲۷] اور وہ جگہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا اس راء کو ایسا پڑھیں گے جیسا لفظ قطرے کی راء کو باریک پڑھتے ہیں۔ امالہ اسی کو کہتے ہیں جس کو فارسی والے یائے مجہول[۲۸] کہتے ہیں۔ پس مَجْرٖىهَا کی راء کو باریک پڑھیں گے (قاعدہ نمبر ۵) جو راء وقف کے سبب ساکن ہو تو ظاہر بات ہے کہ اس میں قاعدہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کے موافق اس سے پہلے والے حرف کو اور کبھی اس سے پہلے والے

---

[۲۱] کیونکہ راء موقوفہ سے پہلا حرف ساکن ہے اور اس سے پہلے والے حرف یعنی میم اور قاف پر کسرہ ہے الذِّکْرِ اور وَلَا یَمْکُرِ کی طرح ۱۲

[۲۲] ترقیق کی وجہ تو متن میں مذکور ہی ہے یعنی قاف اور میم کا کسرہ اور تفخیم اس لیے کہ مابعد کی طرح ماقبل کے مستعلیہ کو بھی تفخیم کا سبب سمجھ لیتے ہیں ۱۲

[۲۳] مطلب یہ ہے کہ گو ان دونوں کلموں میں وقفاً دو دو وجوہ ہیں لیکن ترجیح اس وجہ کو ہے جو راء کی حرکت کے موافق ہے اور باقی وضاحت آگے خود متن میں موجود ہے ۱۲

[۲۴] کیونکہ سین ساکن ہے اور اس سے پہلا حرف یعنی یاء مفتوح ہے اَلْعَصْرِ کی طرح ۱۲

[۲۵] اس لیے کہ یہ لفظ اصل میں یَسْرِیْ تھا پس بعض نے راء کے باریک پڑھنے کو اس لیے اولیٰ لکھا ہے تاکہ یائے محذوفہ پر دلالت ہو جائے لیکن محققین کے اقوال سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ غیث النفع میں تو پُر پڑھنے کی تصریح کی گئی ہے (زینت الفرقان) چنانچہ متن کتاب میں بھی ترقیق کی روایت کو ضعیف ہی بتایا گیا ہے ۱۲

[۲۶] امالہ کہتے ہیں فتحہ کو طرف کسرہ کے اور اس کے بعد والے الف کو طرف یاء کے جھکا کر پڑھنے کو ۱۲

[۲۷] چونکہ امالہ میں زبر کو زیر کی طرف جھکا کر پڑھا جاتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے والے حاشیہ میں گذرا۔ اس لیے اس لفظ کی راء کو مکسور ہی سمجھا جائے گا اور اس پر کسرہ والا حکم ہی جاری کیا جائے گا ۱۲

[۲۸] چونکہ مصنف رحمہ اللہ کے پیش نظر یہاں صرف امالہ والی راء کا حکم بیان کرنا ہے امالہ کی تعریف بتانا مقصود نہیں اس لیے اس کے تلفظ کو ایک عام فہم تشبیہ دے کر سمجھایا ہے و یائے مجہول

حرف کو دیکھ کر اس راء کو باریک یا پُر پڑھنا چاہیے تو اس میں اتنی بات اور سمجھو کہ یہ پہلے والے حرفوں کو دیکھنا اس وقت ہے جبکہ وقف میں اس راء کو بالکل ساکن پڑھا جاوے[29] جیسا کہ وقف کرنے کا عام طریقہ یہی ہے لیکن وقف کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں وہ حرف جس پر وقف کیا ہے بالکل ساکن نہیں کیا جاتا بلکہ اس پر جو حرکت ہو اس کو بھی بہت خفیف سا ادا کیا جاتا ہے اور اس کو روم کہتے ہیں۔ اور یہ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے۔ اس کا مفصل بیان لمعہ تیرھویں[13] میں انشاء اللہ آوے گا۔ سو یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر ایسی[30] راء پر روم کے ساتھ وقف کیا جائے۔ تو پھر پہلے والے حرف کو نہ دیکھیں گے۔ بلکہ خود اس راء پر جو حرکت ہو گی۔ اس کے موافق پُر یا باریک پڑھیں گے جیسے وَالْفَجْرِ پر اگر اس طرح[31] سے وقف کریں تو راء کو باریک پڑھیں[32] گے اور مُّنْتَصِرٌ پر اگر اس طرح وقف کریں تو راء کو پُر پڑھیں[33] گے۔

نواں لمعہ میم[1] ساکن اور مشدد کے قاعدوں میں

قاعدہ نمبر ۱: - میم اگر مشدد ہے تو اس میں غنہ ضروری ہے اور غنہ کہتے ہیں ناک میں آواز لے جانے کو جیسے لَمَّا اور اس حالت[2] میں اس کو حرف غنہ کہتے ہیں۔ (فائدہ) غنہ کی مقدار ایک الف ہے اور الف کی مقدار دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کھلی ہوئی انگلی کو بند کر لے یا بند انگلی کو کھول لے اور یہ محض ایک اندازہ ہے باقی اصل مدار اُستاد مشاق سے سننے پر[3] ہے۔

کا تلفظ وہی ہے جو قطرے کی یاء کا ہے اور مَجْرٖىهَا کی یاء کو بھی بعینہٖ اسی طرح پڑھنا چاہیے اور اس کو فارسی کی یاء کی طرح پڑھنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ یائے معروف ہے ۱۲ **ف ۲۹** اس طرح وقف کرنے کو وقف بالاسکان کہتے ہیں ۱۲ **ف ۳۰** یعنی جس راء پر وقف کرنے کا ارادہ جس کا ذکر اس قاعدہ نمبر ۵ کے شروع میں آچکا ہے ۱۲ **ف ۳۱** یعنی اس کی حرکت کے کچھ حصہ کو باقی رکھ کر جس کو وقف بالروم کہتے ہیں ۱۲ **ف ۳۲** اس لیے کہ اس حالت میں وصل کی طرح راء مکسورہ ادا ہو گی ۱۲ **ف ۳۳** کیونکہ اس حالت میں راء وصل کی طرح مضموم ادا ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ راء موقوفہ بالروم راء موصولہ کی طرح اپنی حرکت کے لحاظ سے پُر یا باریک پڑھی جاتی ہے اور راء موقوفہ بالاسکان اور بالاشمام کی طرح حرف ماقبل کی حرکت کے تابع نہیں ہوتی۔

حواشی لمعہ نہم | **ف ۱** یہاں میم کے ساتھ اور دسویں لمعہ میں نون کے ساتھ ساکن اور مشدد کی قید اس لیے بڑھائی گئی ہے تاکہ متحرک غیر مشدد نکل جائے دیکھو لمعہ ۷ حاشیہ نمبر ۵۔ ۱۲ **ف ۲** یعنی مشدد ہونے کی حالت میں ۱۲۔

قاعدہ ۲: میم اگر ساکن ہو تو اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ کیا حرف ہے۔ اگر اس کے بعد بھی میم ہے تو وہاں ادغام ہوگا یعنی دونوں میم ایک[ف۴] ہو جائیں گے اور مثل ایک میم مشدّد کے اس میں غنّہ ہوگا (حقیقت التجوید) جیسے اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ[ف۵] اور اس کو ادغام صغیر[ف۶] مثلین کہتے ہیں۔ اور اگر میم ساکن کے بعد با ہے تو وہاں غنّہ کے ساتھ اخفاء ہوگا اور اس اخفاء[ف۷] کا مطلب یہ ہے کہ اس میم کو ادا کرنے کے وقت دونوں ہونٹوں کے خشکی کے حصّہ کو بہت نرمی کے ساتھ ملا کر غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے بڑھا کر خیشوم سے ادا کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہونٹوں کے کھلنے سے پہلے ہی دونوں ہونٹوں کے تری کے حصّہ کو سختی کے ساتھ ملا کر با کو ادا کیا جائے (جہد المقل) جیسے وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور اس کو اخفاء شفوی[ف۸] کہتے ہیں۔ اور اگر میم ساکن کے بعد میم اور با کے سوا اور کوئی حرف ہو تو وہاں میم کا اظہار ہوگا یعنی میم اپنے مخرج سے بلا غنّہ[ف۹]

ف۳ چنانچہ کوئی شخص اگر قَالَ۔ کَانَ اور اِنَّا وغیرہ کہتا ہے اور اس سے الف کی مقدار میں کچھ کمی بیشی ہو جاتی ہے تو جس شخص نے کسی ماہر مشّاق استاد سے مشق کی ہو اس کے کانوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذوق سے مقدار کے گھٹنے بڑھنے کو معلوم کر لیتا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی انگلی کو بند اور بند انگلی کو کھولنے کا عمل بھی نہ کرے ۱۲ ف۴ کیونکہ ادغام کی حقیقت ہی یہی ہے کہ دونوں حرفوں کو ملا کر ایک آن کر دیا جائے اور دونوں ایک ہی مخرج سے بلا فصل ادا ہوں چنانچہ متن کی مثال کو ادا کر کے غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے ۱۲۔

ف۵ پس ادغام کے بعد اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ کے دونوں میم مل کر لَمَّا کے ایک میم کی طرح ہو جاتے ہیں اور اب اس میں بھی مثل لَمَّا کے غنّہ ہوتا ہے ۱۲ ف۶ یہ ادغام کی ایک قسم ہے جس کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں مختصراً یوں سمجھو کہ اگر ادغام ایک ہی طرح کے دو حرفوں میں ہوا ہے اور پہلا حرف ادغام سے پہلے بھی ساکن تھا جیسے اِذْ ذَّهَبَ، وَقَدْ دَّخَلُوْا وغیرہ تو ایسے ادغام کو ادغام صغیر مثلین کہتے ہیں پس اس اصطلاح کو ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ اس کی ایک مثال ہے اور ادغام کی پوری بحث نصاب کی دوسری کتاب معلم التجوید میں دیکھو ۱۲ ف۷ یعنی میم کے اخفاء اور نون کے اخفاء کا مطلب اس سے کچھ مختلف ہے جس کا بیان لمعہ ۱۳ میں آئے گا ۱۲

ف۸ شفتہ کے معنی ہونٹ کے ہیں میم چونکہ ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اس لیے اس کے احکام کے ساتھ شفوی کی قید لگا دیتے ہیں ۱۲ ف۹ یہاں بھی اور نون ساکن اور تنوین کے اظہار کے ضمن میں بھی جس غنّہ کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے وہ غنّہ مراد ہے جس کی مقدار ایک الف ہوتی ہے اور قاری کو اس کے لیے ارادہ کرنا پڑتا ہے اور ایک غنّہ میم اور نون کا ذاتی ہوتا ہے جس سے یہ دونوں حرف کسی حالت میں بھی خالی نہیں ہوتے۔ چنانچہ جب تم اَنْعَمْتَ کہتے ہو

ظاہر کی جاوے گی جیسے اَنْعَمْتَ اور اس کو اظہار شفوی کہتے ہیں۔ (تنبیہ) بعض حفاظ اس اخفاء و اظہار میں بآ اور واؔو اور فآ کا ایک ہی قاعدہ سمجھتے ہیں۔ اور اس قاعدہ کا نام بوف کا قاعدہ رکھا ہے یعنی بعضے تو تینوں میں اخفاء کرتے ہیں اور بعضے تینوں میں اظہار کرتے ہیں اور بعضے ان حرفوں کے پاس میم ساکن کو ایک گونہ حرکت دیتے ہیں جیسے عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ یہ سب خلافِ ۳له قاعدہ ہے۔ پہلا اور تیسرا ۴له قول تو بالکل ہی غلط ہے۔ اور دوسرا قول ضعیف ۵له ہے۔ (درۃ الفرید)

دسواں لمعہ۔ نون ساکن اور مشدد کے قاعدں میں

اور چھٹے لمعہ کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ تنوین بھی نون ساکن میں داخل ہے۔ وہاں پھر دیکھ لو۔ مگر ان قاعدں میں نون ساکن کے ساتھ تنوین کا نام بھی آسانی کے لیے لیا جاوے گا۔ قاعدہ ۱ نون اگر مشدد ۱له ہو تو اس میں غنہ ضروری ہے اور مثل میم مشدد کے اس کو بھی اس حالت میں حرف غنہ کہیں گے۔ نویں لمعہ کا پہلا قاعدہ پھر دیکھ لو (قاعدہ ۲) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروف حلقی میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں نون کا اظہار کریں گے یعنی ناک میں آواز نہ لے جاویں گے اور غنہ ۲له

تو یہ غنہ نون اور میم میں اس وقت بھی ہوتا ہے حالانکہ یہاں اظہار ہے ۱۲ ۳له سب کو خلاف قاعدہ اس واسطے کہا ہے کہ تینوں حرفوں کا ایک ہی قاعدہ بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ بآ کا حکم الگ ہے اور واؔو و فآ کا الگ جیسا کہ متن میں گذرا اور اس کی باقی تقریر آئندہ نمبروں میں آ رہی ہے ۱۲ ۴له پہلے اور تیسرے قول کو جو بالکل کہا ہے تو وہ بھی اس بنا پر کہا ہے کہ ان تینوں حرفوں کا ایک ہی حکم اور ایک ہی قاعدہ سمجھ لیا گیا ہے سو ورنہ ظاہر ہے کہ پہلے قول کا ایک حصہ یعنی بآ سے پہلے اخفاء یہ تو صحیح ہی ہے البتہ تیسرا قول سراسر غلط اور نادرست ہے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے قلقلہ سا ہو جاتا ہے اور قلقلہ کے حرف صرف پانچ ہی ہیں جیسا کہ صفاتِ لازمہ میں گذرا ۱۲ ۵له اس کو بھی ضعیف اسی معنیٰ کر کے کہا گیا ہے کہ سب کا حکم ایک سمجھ لیا گیا ہے ورنہ واؔو اور فآ سے پہلے تو اظہار مطلوب اور طریقہ اہلِ ادا ہے اور یہاں ضعیف بمعنی غیر مختار یعنی غیر اولیٰ ہے۔ کیونکہ بآ سے پہلے بھی اظہار جائز ہے البتہ خلاف اولیٰ ہے ۱۲

دسواں لمعہ ۱له جیسے اِنَّ، کَاَنَّ اور یَظُنُّوْنَ وغیرہ ۱۲ ۲له جس غنہ کی یہاں نفی کی جا رہی ہے اس سے کونسا غنہ مراد ہے اس کی تحقیق لمعہ نمبر ۹ حاشیہ ۱له میں کی گئی ہے وہاں ملاحظہ کریں ۱۲۔

بھی نہ کریں جیسے اَنْعَمْتَ۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ وغیرہ اور اس اظہار[۵۳] کو اظہار حلقی کہتے ہیں۔ اور حروف حلقی چھ ہیں۔ جو اس شعر[۵۴] میں جمع ہیں۔

حرفِ حلقی چھ سمجھ اے نورِ عین
ہمزہ۱، ہا۲ و حا۳ و خا۴ و عین۵ و غین۶

چوتھے لمعہ میں لمعہ نمبر۲، نمبر۳، نمبر۴ کو پھر دیکھ لو اور اظہار کا مطلب نویں لمعہ کے دوسرے قاعدہ میں پھر دیکھ لو۔ (قاعدہ نمبر۳) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان چھ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے جن کا مجموعہ یَرْمَلُوْنَ ہے تو وہاں ادغام ہوگا۔ یعنی نون اُس کے بعد حرف سے بدل کر ایک ہو جاویں گے جیسے مِنْ لَّدُنْهُ دیکھو نون کو لام بنا کر دونوں لام کو ایک کر دیا چنانچہ پڑھنے میں صرف لام[۵۵] آتا ہے اگرچہ لکھنے میں نون بھی باقی ہے۔ مگر ان چھ حرفوں میں اتنا فرق ہے کہ ان میں سے چار حرفوں میں تو غنّہ بھی رہتا ہے اور یہ غنّہ مثل نون مشدد کے بڑھا[۵۶] کر پڑھا جاتا ہے۔ اور ان چاروں کا مجموعہ ینمو ہے جیسے مَنْ يُّؤْمِنُ۔ بَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ[۵۷] وَغَيْرُ ذٰلِكَ اور اس کو ادغام مع الغنّہ کہتے ہیں۔ اور دو جو رہ گئے یعنی لؔ اور رؔ۔ ان میں غنّہ نہیں ہوتا جیسے مِنْ لَّدُنْهُ مثال اُوپر گزری ہے اس میں ناک میں ذرا بھی آواز نہیں جاتی خالص لام کی طرح پڑھتے ہیں۔ اور اُس[۵۹] کو ادغام بلا غنّہ کہتے ہیں۔ اور نویں لمعہ کے قاعدہ نمبر۱ و نمبر۲ میں غنّہ اور ادغام کے معنی پھر دیکھ لو۔ پھر اس ادغام[۶۰] کی ایک شرط یہ ہے کہ یہ نون اور یہ حرف ایک کلمہ میں نہ ہوں ورنہ ادغام نہ کریں گے بلکہ اظہار کریں گے جیسے دُنْيَا۔ قِنْوَانٌ۔ صِنْوَانٌ

---

[۵۳] وجہ ظاہر ہے کہ یہ اظہار حروفِ حلقی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے ۱۲ [۵۴] اس مصرعہ میں حروفِ حلقی کو صرف جمع کرنا ہی مقصود ہے ورنہ مخرج کے لحاظ سے ان حرفوں کی ترتیب اس طرح ہے "ء۔ ہا۔ ع۔ حا۔ غ۔ خا" جیسا کہ مخارج کی بحث میں گزرا ۱۲ [۵۵] کیونکہ ادغام کی وجہ سے دونوں ایک ذات ہو جاتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ادغام میں مدغم، مدغم فیہ سے بدلتا ہے پس ادغام کی تمام مثالوں میں نون اسی طرح بعد والے حرف سے بدل جائے گا ۱۲ [۵۶] یعنی ایک الف کے برابر کیونکہ غنّہ کی مقدار ایک الف ہی ہے جیسا کہ گزرا ۱۲

[۵۷] یہ دونوں ینمو کی مثالیں ہیں۔ ان میں سے پہلی نون ساکن کی ہے اور دوسری تنوین کی اور واؤ کی مثالیں مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا میم کی مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اور نون کی مِنْ نَّاصِرِيْنَ اور اِمْلَاقٍ نَّحْنُ ہو سکتی ہیں ۱۲ [۵۸] یعنی اس ادغام کو جو ینمو کے چار حرفوں میں ہوتا ہے ۱۲ [۵۹] یعنی اس کو جو لر کے دو حرفوں میں ہوتا ہے ۱۲ [۶۰] یعنی جو حرف یَرْمَلُوْنَ میں ہوتا ہے ۱۲

بُنْیَانٌ اور تمام قرآن میں اس قاعدے[11] کے یہی چار لفظ پائے گئے ہیں اور ان میں جو اظہار ہوتا ہے اس کو اظہار مطلق[12] کہتے ہیں۔ (قاعدہ ۴) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آئے تو اس ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر غنہ اور اخفاء کے ساتھ پڑھیں گے جیسے مِنْۢ بَعْدِ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ اور بعضے قرآنوں میں آسانی کے لیے ایسے نون اور تنوین کے بعد ننھی سی[13] میم بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس طرح مِنْۢ بَعْدِ اور اس بدلنے کو اقلاب اور قلب کہتے ہیں اور اس میم کے اخفاء کا مطلب اور ادا کرنے کا طریقہ بھی وُہی[14] ہے جو کہ اخفاء شفوی کا تھا۔ نون لمعہ کا دوسرا قاعدہ پھر دیکھ لو۔ (قاعدہ ۵) نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر ان تیرہ[15] حرفوں کے سوا جن کا ذکر قاعدہ ۲، ۳، ۴ میں ہو چکا ہے اور کوئی حرف آوے تو وہاں نون اور تنوین کو اخفاء اور غنہ کے ساتھ پڑھیں گے اور وہ پندرہ حرف یہ ہیں ت۱۔ ث۲۔ ج۳۔ د۴۔ ذ۵۔ ز۶۔ س۷۔ ش۸۔ ص۹۔ ض۱۰۔ ط۱۱۔ ظ۱۲۔ ف۱۳۔ ق۱۴۔ ک۱۵ اور الف کو اس لیے شمار نہیں کیا کہ وہ نون ساکن کے بعد[16] نہیں آسکتا (درۃ الفرید) اور اس اخفاء کا مطلب یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کو اس کے مخرج اصلی کنارہ زبان اور تالو سے علیحدہ رکھ کر اس کی آواز کو خیشوم میں چھپا کر اس طرح پڑھیں کہ نہ ادغام ہو نہ اظہار بلکہ دونوں کی درمیانی حالت ہو یعنی نہ تو اظہار کی طرح اُس کے ادا میں سرا زبان تالو سے لگے اور نہ ادغام کی طرح بعد والے حرف کے مخرج سے نکلے بلکہ بدون دخل زبان

---

[11] یعنی نون ساکن اور حروف یَرْمَلُوْنَ کے ایک ہی کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جو اظہار ہوتا ہے اس اظہار کے قاعدے کے ۱۲

[12] دُنْیَا اور قِنْوَانٌ وغیرہ کے اظہار کو اظہار مطلق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اظہار یَنْئَوْنَ اور مِنْهُ کے اظہار کی طرح حلق کے ساتھ یا بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِی کی طرح شفت کے ساتھ مقید نہیں اور مطلق کے معنی غیر مقید کے ہی ہیں واللہ اعلم (العقد الفرید للشیخ علی بن احمد صبرہ) ۱۲

[13] تاکہ پڑھنے والے یہاں نون نہ پڑھیں بلکہ میم پڑھیں ۱۲

[14] کیونکہ جب نون باء کی وجہ سے میم سے بدل گیا تو اب اُس کا تلفظ بھی میم ہی کی طرح ہوگا۔ اس لیے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ اور مِنْۢ بَعْدِ اور سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ کے اخفاء کے تلفظ میں کوئی فرق نہ ہوگا ۱۲

[15] یعنی چھ حروف حلقی چھ یَرْمَلُوْنَ اور ایک باء کے سوا ۱۲

[16] اس لیے کہ الف حرف ساکن کے بعد آ ہی نہیں سکتا پس الف کا تعلق نون ساکن و تنوین کے ان چار چار احکام میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے خوب سمجھ لو ۱۲

[17] اخفاء کی حالت میں تشدید کا نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ جب سرا زبان تالو کے ساتھ لگتا ہی نہیں تو تشدید کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن [illegible]

کے اور بدون تشدید کے صرف خیشوم سے غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے۔ اور جب تک اخفاء کی مشق کسی ماہر استاد سے میسر نہ ہو اُس وقت تک صرف غنّہ ہی کے ساتھ پڑھتا رہے کہ دونوں سُننے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں جیسے وَاَنْذَرْنٰهُمْ قَوْمٍ ظَلَمُوْا مگر پھر بھی آسانی کے لیے اس اخفاء کی ایک دو مثال اپنی بول چال کے لفظوں میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ تو سمجھ میں آجائے۔ وہ مثالیں[ف] یہ ہیں کنواں۔ کنول۔ منہ۔ اونٹ۔ بانس۔ سینگ۔ دیکھو ان لفظوں میں نون نہ تو اپنے مخرج سے نکلا اور نہ بعد والے حرف میں ادغام ہو گیا اور اس "ن" کے اخفاء کو اخفاءِ حقیقی کہتے ہیں! اور نون کے اظہار کو جس کا بیان

باوجود مصنفؒ نے تشدید کی نفی کی وضاحت اس لیے فرمائی تاکہ اخفاء اور ادغام ناقص کا فرق خوب واضح ہو جائے کیونکہ ثانی میں تشدید ہوتی ہے اور اوّل میں نہیں ہوتی ۱۲ ف۱۸ یعنی اخفاء مع الغنّہ اور اظہار مع الغنّہ اور دونوں میں صرف غنّہ سے مُراد اظہار مع الغنّہ ہی ہے کیونکہ صرف غنّہ کے تو کوئی معنٰی ہی نہیں۔ اور مولانا نے جو ان دونوں کو ایک دوسرے کے مشابہ فرمایا ہے تو اس سے مُراد ظاہری مُشابہت ہے جو غنّہ کی وجہ سے ان دونوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ورنہ حقیقت کی رُو سے تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ ایک میں زبان کا سرا تالو کے ساتھ لگتا ہے اور دوسرے میں نہیں لگتا۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب تک اخفاءِ حقیقی اپنی صحیح کیفیت کے ساتھ ادا نہ ہو سکے اس وقت تک کم از کم غنّہ تو ضرور ہی کرتا رہے تاکہ اخفاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت تو ہو ہی جائے ۱۲ **فائدہ**:۔ اخفاء کی حقیقت کیا ہے اس بارے میں ایک مسلک تو وہ ہے جو متن سے ثابت ہوتا ہے یعنی یہ کہ اخفاءِ حقیقی میں زبان کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور سرا زبان تالو سے بالکل علیحدہ رہتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے بلکہ بدون دخل لِسان کے اور بدون تشدید کے صرف خیشوم سے غنّہ کی صفت کو بقدر ایک الف کے باقی رکھ کر ادا کیا جائے الخ ۱۲ ف۱۹ اخفاء کی اردو زبان میں جو مثالیں متن میں دی گئی ہیں یعنی بانس، سینگ وغیرہ تو یہ بھی اس صورت میں اس کی مثالیں بن سکتی ہیں کہ زبان کے دخل کو بالکل تسلیم نہ کیا جائے ورنہ اگر زبان کا دخل بھی تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں یہ اخفاء کی مثالیں بن ہی نہیں سکتیں۔

لیکن استاذ الاساتذہ امام فن حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادی کی تحقیق یہ ہے کہ اخفاء میں سرا زبان کو تالو سے معمولی سا لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور زبان بالکل بے تعلق نہیں رہتی۔ چنانچہ آپ نے فوائدِ مکیہ کے حاشیہ میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور دخل لسان کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ جانبین کے دلائل اور موضوع پر مفصل کلام یہ ساری بحث ان شاء اللہ التبیان فی تنزیل القرآن میں سپردِ قلم کی جائے گی۔ یہ حواشی ان تفصیلات کے متحمل نہیں ہیں ۱۲

قاعدہ ۲ میں ہوا ہے اظہار حقیقی کہتے ہیں۔ اور جس کا بیان قاعدہ ۳ میں ہوا ہے اظہار مطلق کہتے ہیں جس طرح میم کے اخفاء و اظہار کو شفوی کہتے ہیں۔ جس کا بیان نویں لمعہ قاعدہ ۱۲ میں گزرا ہے۔

گیارھواں لمعہ۔ الف اور واؤ اور یائے کے قاعدوں میں[1]

جبکہ یہ ساکن ہوں اور الف سے پہلے والے حرف پر زبر ہو اور واؤ ساکن سے پہلے پیش ہو۔ اور یاء ساکن سے پہلے زیر ہو اور اس حالت میں ان کا نام مدہ ہے (دیکھو لمعہ ۲ مخرج ۱) اور کھڑا زبر[2] اور کھڑی زیر اور الٹا پیش بھی حرف مدہ میں داخل ہیں۔ کیونکہ کھڑا زبر الف مدہ کی آواز[3] دیتا ہے اور کھڑی زیر یائے مدہ کی اور الٹا پیش واؤ مدہ کی۔ اب ان قواعد کے بیان میں ہم فقط لفظ مدہ لکھیں گے۔ ہر جگہ اتنے لمبے نام کون لکھے۔ (قاعدہ ۱) اگر حرف مدہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرف مدہ اور ہمزہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں تو وہاں اس مدہ کو بڑھا کر[4] پڑھیں گے اور اس بڑھا کر پڑھنے کو مد کہتے ہیں جیسے سَوَآءٌ۔ سُوْٓءٍ۔ سِیْٓـَٔتْ، اور اس کا نام مد متصل[5] ہے اور اس کو مد واجب بھی کہتے ہیں اور مقدار اس کی تین یا چار الف ہے اور الف کا اندازہ کرنے کا طریقہ نویں لمعہ کے قاعدہ ۱۳ کے فائدہ میں لکھا گیا ہے۔ پس اس طریقہ کے موافق تین یا چار انگلیوں کو آگے پیچھے بند کر لینے سے یہ اندازہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر یہ مقدار اس مقدار کے علاوہ ہے جو

حواشی لمعہ یازدہم

[1] اَذْبَرْمَلَاَنِ کے آٹھ حرفوں میں سے لام۔ راء۔ میم اور نون ان چار حرفوں کے قاعدے اوپر الگ الگ چار لمعوں میں بیان ہو چکے ہیں اور اب ا و ی کے چار حرف باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ہمزہ کے قاعدے تو بارھویں لمعہ میں آئیں گے اور باقی تین حروف یعنی الف، واؤ اور یاء کے قاعدے اس گیارھویں لمعہ میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ الف تو ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے اور واؤ اور یاء کی تین تین حالتیں ہیں۔ مدہ۔ لین اور متحرک۔ مگر واؤ اور یاء جب متحرک ہوتے ہیں تو اس وقت یہ صفات عارضہ سے خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس لمعہ میں صرف حروف مدہ اور حروف لین ہی سے متعلق قاعدے بیان ہوں گے ۱۲

[2] کھڑے زبر کی مثال اُولٰٓئِكَ کھڑے زیر کی بِهٖ اور الٹے پیش کی لَهٗ ہو سکتی ہے ۱۲

[3] کیونکہ حروف مدہ اور یہ حرکتیں تلفظ میں دونوں یکساں ہیں جیسا کہ حاشیہ ۲ کی مثالوں کے تلفظ سے ظاہر ہے ۱۲

[4] یعنی حرف مدہ کو ان کی اصلی مقدار سے زیادہ کھینچ کر کیونکہ اصلی مقدار کے برابر کھینچنا تو اس وقت بھی واجب ہے جبکہ ان کے بعد ہمزہ نہ ہو ورنہ یہ حرف سرے سے حذف ہی ہو جائیں گے اور یہ بہت بھاری غلطی ہے۔

حروفِ مدّہ کی اصلی مقدار ہے مثلاً جآءَ میں اگر مدّ نہ ہوتا تو آخر الف کی بھی تو کچھ مقدار ہے سو اس مقدار کے علاوہ مدّ کرنے[ف۴] کی مقدار ہوگی۔ (قاعدہ نمبر ۲) اگر حرف مدّہ کے بعد ہمزہ ہو اور یہ حرف مدّہ اور وہ ہمزہ ایک کلمہ میں نہ ہوں بلکہ ایک کلمہ کے آخیر میں تو حرف مدّہ ہو اور دوسرے کلمہ کے شروع میں ہمزہ ہو وہاں بھی اس مدّہ کو بڑھا کر یعنی مدّ کے ساتھ پڑھیں گے جیسے اِنَّآ اَعْطَیْنَا الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مگر یہ مدّ اس وقت ہوگا جب دونوں کلموں کو ملا کر پڑھیں اور اگر کسی وجہ سے پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو پھر یہ مدّ نہ ہوگا[ف۹] اور اس مدّ کو مدِّ منفصل[ف۱۰] اور مدِّ جائز بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی مقدار بھی تین یا چار الف ہے جیسے متصل کی تھی۔ اور اگر دونوں کی الگ الگ کسی کو پہچان نہ ہو تو فکر نہ کریں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی طرح پڑھے جاتے ہیں ۱۲۔

کیونکہ اس سے قرآن کا ایک حرف کم ہوجاتا ہے ۱۲ ف۵ یعنی جس کی تعریف ابھی گذری کہ حرف مدّہ کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں ہو ۱۲ ف۶ اس مدّ کو متصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہمزہ اور حرف مدّہ دونوں ایک ہی کلمہ میں مل کر آتے ہیں۔ اور واجب اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام روایتوں اور تمام قراءتوں میں کیا جاتا ہے کسی روایت اور کسی قراءت میں اس کا ترک جائز نہیں پس واجب بمعنی ضروری ہے ۱۲ ف۷ اس سے یہ نکلتا ہے کہ مدّ متصل کی پوری مقدار چار یا پانچ الف ہے کیونکہ اوپر یہ فرما چکے ہیں کہ اس کی مقدار تین یا چار الف ہے اور یہاں فرمایا ہے کہ یہ مقدار مدّہ کی اصلی مقدار کے علاوہ ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ مدّہ کی اصلی مقدار سمیت مدّ متصل کی مقدار چار یا پانچ الف ہے لیکن اس میں نظر ہے اس لیے کہ دوسرے محققین نے مدّ متصل کی مقدار مع مدّ طبعی کے زیادہ سے زیادہ چار الف بتائی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالحلیم صاحب تیسیر التجوید میں فرماتے ہیں (مدّ متصل اور منفصل میں توسط ہوتا ہے یعنی دو الف کے برابر کھینچا جاتا ہے اور تین الف کے برابر کھینچنا بھی جائز ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ یہ مقدار مدّ اصلی کے علاوہ ہے یعنی ایک الف مدّ اصلی کی مقدار اور دو یا تین الف مدِّ فرعی کی مقدار ملا کر کل تین یا چار الف تک کھینچنا چاہیے) اور فوائد مکیہ میں ہے متصل کی مقدار میں کئی قول ہیں۔ دو الف۔ اڑھائی الف۔ چار الف الخ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ متصل کی مقدار مع مدّ طبعی کے چار الف سے زیادہ نہیں، کیونکہ اگر مصنف فوائدِ مکیہ کے نزدیک یہ مقدار مدِّ اصلی کے علاوہ ہوتی تو آگے اس کی ضرور وضاحت فرما دیتے۔ اور یُوں بھی پانچ الف طول کی آخری مقدار ہے اور مدّ متصل میں توسط ہوتا ہے۔ بہرحال صحیح تر یہ ہے کہ مدّ متصل اور منفصل کو چار الف سے زیادہ نہ کھینچا جائے واللہ اعلم ۱۲ ف۸ اس لیے کہ اس صورت میں ہمزہ حرفِ مدّ سے جدا ہو جاتا ہے اور یہ مدّ ہمزہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے ۱۲ ف۹ اس لیے کہ اس میں

قاعدہ ۳ ۔ اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سے سکون نہ ہوا ہو جیسے آلْـٰٔنَ اس میں اوّل حرف ہمزہ ہے۔ دوسرا حرف الف ہے اور وہ مدہ ہے اور تیسرا حرف لام ساکن ہے اور اس کا ساکن ہونا ظاہر ہے کہ وقف کے سبب نہیں ہے چنانچہ اس پر وقف نہ کریں تب بھی ساکن ہی پڑھیں گے۔ تو ایسے مدہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام مدِّ لازم[۱۱] ہے اور اس کی مقدار تین الف ہے اور ایسے مد کو[۱۲] کلمی مخفف کہتے ہیں۔ (**قاعدہ ۴**) اگر ایک کلمہ میں حرفِ مدہ کے بعد کوئی حرفِ مشدد ہو جیسے ضَآلِّیْنَ اس میں الف تو مدہ ہے اور اس کے بعد لام پر تشدید ہے۔ اس مدہ پر بھی مد ہوتا ہے اور اس کا نام بھی مدِّ لازم ہے اور اس کی مقدار بھی تین الف ہے اور ایسے مد کو کلمی مثقل[۱۳] کہتے ہیں (**قاعدہ ۵**) بعض سورتوں کے اوّل میں جو بعضے حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں جیسے سورہ بقرہ کے شروع میں الٓمّٓ الف لام میم ان کو حروفِ مقطعات[۱۴] کہتے ہیں۔ ان میں ایک تو خود الف ہے اس کے متعلق تو یہاں کوئی قاعدہ[۱۵] نہیں۔ اور اس کے سوا جو اور حروف رہ گئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جن میں تین حرف ہیں۔

ہمزہ حرفِ مدہ سے اس معنی کر کے جدا ہوتا ہے کہ حرفِ مد ایک کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں۔ اور جائز اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مد واجب کی طرح تمام روایتوں میں نہیں کیا جاتا بلکہ بعض میں کیا جاتا ہے اور بعض میں نہیں کیا جاتا۔ اور یوں بھی پہلے کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں یہ گر جاتا ہے جیسا کہ متن میں بھی ہے ۱۲۔

[۱۰] ایک ہی طرح سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ دونوں کی مقدارِ مد ایک ہی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ادا ہونے میں تو سب مدیں ایک ہی طرح کی ہیں۔ یہ دونوں بھی اور آئندہ آنے والے بھی۔ پس یہاں ہر طرح کو معنی مقدار ہی سمجھنا چاہیے واللہ اعلم ۱۲

[۱۱] اس لیے کہ یہ مد سکون لازم یعنی سکون اصلی کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ تعریف اور مثال سے ظاہر ہے ۱۲

[۱۲] یعنی جس کسی کلمہ میں حرفِ مدہ کے بعد سکون لازم مخفف ہو جس کی مثال اوپر متن میں آلْـٰٔنَ دی گئی ہے اور یہ مدِّ لازم کی ایک قسم ہے اور تین قسمیں اس کی اور ہیں۔ ان کی تعریف اور مثالیں آگے متن میں آ رہی ہیں اور مطلق مدِّ لازم کی تعریف اس طرح یاد رکھنی چاہیے کہ حرفِ مد کے بعد اگر سکون لازم ہو جو وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ثابت رہے تو اس مد کو مدِّ لازم کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کی چاروں قسموں میں یہ بات پائی جاتی ہے ۱۲

[۱۳] کیونکہ اس میں حرفِ مد کے بعد والا حرف جس کی وجہ سے یہ مد کیا جاتا ہے مشدد پڑھا جاتا ہے اور مشدد اور مثقل دونوں کا مطلب ایک ہی ہے ۱۲

[۱۴] کیونکہ مقطعات کے معنی یہی ہیں کہ کٹے کٹے اور الگ الگ پڑھے جانے والے حروف ۱۲

[۱۵] کیونکہ اس میں سرے سے حرفِ مد ہی نہیں اور اس لمعہ میں حروفِ مد ہی کے متعلق قاعدے

جیسے لام میم قاف نون۔ اور ایک وہ جن میں دو حرف ہیں جیسے طٰہٰ۔ سو جن میں دو حرف ہیں ان کے متعلق بھی یہاں کوئی قاعدہ[١٦] نہیں۔ اور جن میں تین حروف ہیں ان پر مد ہوتا ہے۔ اس کو بھی مد لازم کہتے ہیں اور اس کی مقدار بھی تین الف ہے اور ایسے مد کو مدِ حرفی[١٧] کہتے ہیں۔ پھر ان میں سے جن حروف مقطعہ کے آخیر حرف پر پڑھنے کے وقت تشدید ہے ان کے مد کو مدِ حرفی مثقل کہتے ہیں۔ جیسے الٓمّٓ میں لام کو جب میم کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس کے آخیر میں تشدید[١٨] پیدا ہوتی ہے اور جن میں تشدید نہیں ہے ان کے مد کو مدِ حرفی مخفف[١٩] کہتے ہیں جیسے الٓمٓ میں میم کے آخیر میں تشدید نہیں ہے۔ **تنبیہ ۱:** تین حرفی مقطعات میں جن میں مد پڑھنا بتلایا گیا ہے اکثر[٢٠] میں تو بیچ کا حرف مدہ ہی ہے جس کے بعد کہیں تو حرف ساکن ہے جیسے میم میں ی مدہ ہے اور اس کے بعد میم ساکن ہے۔ اور کہیں حرف مشدد ہے۔ جیسے لام میں الف مدہ ہے اور اس کے بعد میم مشدد ہے اور مدہ پر ایسے مواقع میں ہمیشہ مد ہی ہوتا ہے تو ان میں مد ہونا عام قاعدہ[٢١] کے موافق ہے۔ البتہ جن تین حرفی مقطعات میں بیچ کا حرف مدہ نہیں ہے۔ جیسے کٓھٰیٰعٓصٓ[٢٢] میں ع ہے وہاں مد ہونا اس عام قاعدے کے موافق[٢٣] نہیں ہے اور اسی واسطے اگر مد نہ کریں تب بھی درست

بیان ہو رہے ہیں ۱۲

[١٦] کیونکہ ان میں اگرچہ حرفِ مد تو ہے مگر بعد میں سکون نہیں اور مدِ لازم سکون ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں قاعدہ سے مراد مدِ لازم کا قاعدہ ہی ہے اس لیے کہ بحث اسی کی چل رہی ہے ورنہ مد اصلی تو ان دو حرفی مقطعات میں بھی ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

[١٧] اس کو مدِ حرفی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حرف مقطعات میں ہوتا ہے اور یہ مقابل ہے مدِ کلمی کا جس کا ذکر قاعدہ ۱ و ۲ میں آچکا ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ اگر تو مدِ لازم حروفِ مقطعات میں ہو تو یہ مدِ لازم حرفی کہلائے گا اور اگر کسی اور کلمہ میں ہو جس کی دو مثالیں اوپر متن میں قاعدہ ۲ و ۳ کے ضمن میں گذر چکی ہیں یعنی آٰلْـٰٔنَ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو اس مد کو مدِ لازم کلمی کہیں گے پھر حرفی اور کلمی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ مثقل اور مخفف۔ پس یہ کُل چار قسمیں ہوئیں جن میں سے تین کا بیان اوپر آچکا ہے اور چوتھی قسم کا ذکر آگے آرہا ہے ۱۲

[١٨] کیونکہ اس صورت میں دونوں میم مل کر ایک مشدد میم کی طرح ہو جاتے ہیں ۱۲

[١٩] مخفف کے معنی غیر مشدد کے ہیں اور یہ مقابل ہے مثقل کا ۱۲

[٢٠] یعنی آٹھ میں سے سات میں کیونکہ تین حرفی حروف مقطعات کُل آٹھ ہیں۔ جن کا مجموعہ کَمْ عَسَلْ نَقَصْ ہے۔ پس ان میں سے سات میں تو بیچ کا حرف مدہ ہے اور ایک یعنی لفظ عین میں بیچ کا حرف یائے لین ہے خوب سمجھ لو ۱۲

[٢١] یعنی مدِ لازم کے عام قاعدہ کی رو سے کیونکہ ان سب میں حرف مد کے بعد سکون لازم پایا جا رہا ہے اور یہی تعریف ہے مدِ لازم کی کہ حرفِ مد کے بعد سکون

ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مدّ کریں اور اس کو مدِّ لازم[٢٣] لین کہتے ہیں (تنبیہ ۲) جو حروف مقطعات آخیر میں ہیں ان پر مدّ اس وقت ہے جب اس پر وقف کریں اور اگر مابعد سے ملا کر پڑھیں تو پھر مد کرنا نہ کرنا دونوں[٢٤] جائز ہیں۔ جیسے سورۂ آلِ عمران میں الٓمّٓ کے میم کو اگر اللہ سے ملا کر پڑھیں تو مدّ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (قاعدہ ۶) اگر حرفِ مدّہ کے بعد کوئی حرف ساکن ہو جس کا سکون اصلی نہ ہو یعنی اس پر وقف کرنے کے سبب سکون ہو گیا ہو اور یہ ساکن مقابل[٢٥] ہے اس ساکن کا جو قاعدہ ۳ کے شروع میں مذکور ہوا ہے تو اس مدّہ پر مد کرنا جائز ہے اور نہ کرنا بھی درست ہے لیکن کرنا بہتر ہے جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ[٢٦] الْعٰلَمِيْنَ پر اور اس کو مدِّ وقفی اور مدِّ عارض[٢٧] بھی کہتے ہیں اور یہ مدّ تین الف کے برابر ہے اور اس کو طول کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ دو الف کے برابر مدّ کریں اور اس کو توسط کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ بالکل[٢٨] مدّ نہ کریں یعنی ایک ہی الف کے برابر پڑھیں کہ اس سے کم میں حرف ہی نہ رہے گا۔ آگے تنبیہ سوم دیکھو اس کو قصر[٢٩] کہتے ہیں۔ اور اس میں

لازم ہو جیسا کہ گزرا ۱۲ [٢٢] کیونکہ مدّ لازم کا عام قاعدہ یہ ہے کہ سکون لازم حرفِ مدّہ کے بعد ہو اور یہاں حرف لین کے بعد ہے خوب سمجھ لو ۱۲ [٢٣] کیونکہ اس میں بیچ کا حرف حرفِ لین ہے مدّہ نہیں ۱۲ [٢٤] اس قاعدہ کو کو عام نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ سورۂ آلِ عمران ہی کے شروع کے ساتھ خاص ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو مابعد سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں میم پر اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے عارضی طور پر حرکت آجاتی ہے۔ اس کے سوا کسی اور سورہ کے شروع میں یہ صورت پیش نہیں آتی ہیں باقی ہر جگہ آخیر والے حروف مقطعات میں وصل و وقف دونوں حالتوں میں مدّ ہی ہوگا خوب سمجھ لو ۱۲ [٢٥] کیونکہ وہ سکون اصلی تھا اور یہ سکون عارضی ہے ۱۲ [٢٦] چنانچہ اس کا نون صرف بحالتِ وقف ہی ساکن پڑھا جاتا ہے اور وصل کی حالت میں متحرک ادا ہوتا ہے۔ پس ایسا سکون جو وقف کی وجہ سے ہو سکونِ عارض کہلاتا ہے اور الرَّحِيْمِ۔ تَفْعَلُوْنَ اور تُكَذِّبٰنِ بھی اس کی مثالیں ہیں ۱۲ [٢٧] وجہ ظاہر ہے کیونکہ یہ مد اس سکون کی وجہ سے ہوتا ہے جو وقف کی وجہ سے عارض ہوتا ہے اور وقفی کہنے کی وجہ بھی اسی سے معلوم ہو گی ۱۲ [٢٨] یعنی مدِّ فرعی بالکل نہ کریں۔ اور یہاں بالکل مد نہ کرنے سے یہی مراد ہے کیونکہ مد اصلی جس کی مقدار ایک الف ہے وہ تو ہر حال میں ضروری ہے اس لیے کہ اس کے ادا نہ ہونے سے تو حرف کی ذات ہی باقی نہیں رہتی ہے اور قصر بھی اسی کو کہتے ہیں کہ صرف مد اصلی ہی کی جائے اور مدِّ فرعی بالکل نہ کی جائے اور متن میں تنبیہ سوم کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو وہ بھی اسی لیے کہ اس میں مدِّ اصلی اور مدِّ فرعی کا فرق سمجھایا گیا ہے ۱۲ [٢٩] پس عارض وقفی میں تین وجہیں ہوئیں۔ طول۔ توسط۔ قصر اور اب آگے

افضل طول ہے پھر توسط پھر قصر۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان تینوں میں سے جو طریقہ اختیار کرو ختمِ تلاوت تک اسی کے موافق کرتے چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کہیں طول کہیں قصر کہ یہ بدنما ہے۔ اور یہ مد[۳۰] بھی مدِ جائز کی ایک قسم ہے اور جہاں خود مدہ پر وقف ہو وہاں یہ مد نہیں[۳۱] ہوتا جیسے بعضے لوگ غَفُوْرًا، شَكُوْرًا پر وقف کر کے مد کرتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ (تنبیہ نمبر ۱) مدِ عارض جس طرح مدہ پر جائز ہے اسی طرح لین[۳۲] پر بھی جائز ہے یعنی واوٗ ساکن جس سے پہلے زبر ہو اور یا ساکن جس سے پہلے زبر ہو (دیکھو لمعہ ۵ نمبر ۱۳) جیسے وَالصَّيْفِ پر یا مِنْ خَوْفٍ پر وقف کریں اور جس طرح طول جائز ہے اسی طرح توسط اور قصر بھی مگر اس میں افضل قصر ہے پھر توسط اور پھر طول[۳۳] اور اس مد کو مدِ عارض لین کہتے ہیں۔ (تنبیہ نمبر ۲) حرفِ لین کے متعلق ایک قاعدہ لمعہ نمبر ۱۱ قاعدہ نمبر ۵ تنبیہ نمبر ۱ میں بھی گذرا ہے۔ دیکھ لو کیونکہ وہاں حروفِ مقطعات میں سے جو عین ہے اس کی یا[۳۴] حرفِ لین ہے۔ (تنبیہ نمبر ۳) یہاں تک جتنی قسمیں مد کی مذکور ہوئیں یہ سب مدِ فرعی[۳۵] کہلاتی ہیں۔ یعنی چونکہ اصل حرف سے زائد ہیں۔ اور ایک مدِ اصلی ہے

ان کے مراتب بیان کرتے ہیں ۱۲

[۳۰] یعنی مدِ عارض وقفی جس کا بیان چل رہا ہے کیونکہ اس میں بھی مد کرنا اور نہ کرنا دونوں وجہیں جائز ہیں جیسا کہ متن میں گذرا ۱۲

[۳۱] یعنی مدِ عارض، کیونکہ اس کے لیے حرفِ مد کے بعد سکونِ عارض کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس کی تعریف میں بیان ہوا۔ اور ان مثالوں میں یہ سکون نہیں ہے البتہ مدِ اصلی یہاں بھی ہوگا ۱۲

[۳۲] کیونکہ حرفِ لین کو حرفِ مد کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہے کہ دونوں ساکن ہی ہوتے ہیں ۱۲

[۳۳] پس اس میں مدِ عارض وقفی کا الٹ ہوا کیونکہ اس میں طول افضل تھا۔ پھر توسط اور پھر قصر اور اس میں افضل قصر ہے پھر توسط اور پھر طول کا مرتبہ ہے۔ اور لین لازم کا حال بھی مدِ وقفی کی طرح ہے اور اس میں بھی پہلا مرتبہ طول کا ہے مگر یہ ملحوظ ہے کہ لین عارض اور لین لازم کے قصر کی مقدار عارضِ وقفی کے قصر سے کم ہے یعنی ایک الف کے برابر نہیں ۱۲

[۳۴] مگر فرق اتنا ہے کہ اس کا مد لین لازم ہے اور وَالصَّيْفِ وغیرہ کا لین عارض۔ کیونکہ وہ سکون لازم کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ سکون عارض کی وجہ سے ۱۲

[۳۵] کیونکہ فرعی کی تعریف یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد سکون یا تشدید یا ہمزہ ہو۔ چنانچہ اور اوپر کی تمام قسموں میں حرفِ مد کے بعد ان میں سے ایک نہ ایک چیز ضرور پائی جاتی تھی۔ اور اس کے مقابلہ میں مد کی ایک قسم اور ہے جس کو مدِ اصلی کہتے ہیں اور مدِ اصلی کی تعریف یہ ہے کہ حرفِ مد کے بعد نہ ہمزہ ہو نہ سکون اور نہ تشدید اور متن میں مدِ فرعی اور مدِ اصلی کی تعریف نہیں بتائی گئی صرف ان کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے ۱۲

اور اس کو ذاتی اور طبعی[۳۶] بھی کہتے ہیں۔ یعنی الف اور واؤ اور یاء کی اتنی مقدار کہ اگر اس سے کم پڑھیں تو وہ حرف ہی نہ رہے[۳۷] بلکہ زبر یا پیش یا زیر رہ جائے اور اس کے متعلق کوئی قاعدہ[۳۸] نہیں ہے۔

قاعدہ ۱۲: یہ قاعدہ[۳۹] حروفِ مدّہ میں سے صرف الف کے متعلق ہے۔ وہ یہ کہ الف خود باریک[۴۰] پڑھا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے اگر کوئی حرف پُر ہو یعنی یا تو حروفِ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جن کا بیان لمعہ نمبر ۵ صفت ۵ میں گزر چکا ہے۔ یا حرف را ہو جو کہ مفتوح ہونے سے پُر ہو جاوے گی یا پُر لام ہو جیسے لفظ اَللّٰہ کا لامؔ ہے جبکہ اس سے پہلے زبر یا پیش ہو تو ان صورتوں میں الف کو بھی موٹا پڑھیں گے اور جاننا چاہیے کہ ان حرفوں کے پُر ہونے[۴۱] میں بھی تفاوت ہے تو ویسا ہی تفاوت اس الف کے پُر ہونے میں بھی ہوگا جو ان حرفوں کے بعد آیا ہے۔ سو سب سے زیادہ پُر تو اسم اَللّٰہ کا لامؔ ہے۔ اس کے بعد طاؔ اس کے بعد ضؔ اور صؔ ان کے بعد ظاؔ اس کے بعد قافؔ اس کے بعد غینؔ اور خاؔ ان کے بعد راؔ (حقیقۃ التجوید)

---

[۳۶] یہ دونوں بھی مدِّ اصلی کے نام ہیں۔ ذاتی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مقدار کے بغیر حرف کی ذات ہی نہیں پائی جاتی اور طبعی اس لیے کہتے ہیں کہ حروفِ مدّہ کو اتنا کھینچنا طبیعتِ سلیمہ کا تقاضا ہے ۱۲

[۳۷] چنانچہ قال، قیل اور قولوا میں حروفِ مدّہ کو اگر اتنا یعنی ایک الف کے برابر بھی نہ کھینچا جائے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ حروف ادا نہ ہوں گے بلکہ صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی خوب سمجھ لو ۱۲

[۳۸] یعنی مدِّ فرعی کا کوئی قاعدہ، ورنہ ظاہر ہے کہ مدِّ اصلی کا قاعدہ تو اس صورت میں بھی پایا جا رہا ہے ۱۲

[۳۹] مگر اس قاعدے کے پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ قاعدہ مد سے متعلق نہیں بلکہ الف کے پُر اور باریک ہونے کے بارے میں ہے کیونکہ حروفِ مستفلہ میں سے تین حرف ایسے بھی ہیں جو بعض حالتوں میں پُر پڑھے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں باریک۔ اور وہ یہ ہیں لامؔ راؔ الف۔ پس لامؔ اور راؔ کے پُر اور باریک پڑھنے کے قاعدے تو اوپر ساتویں اور آٹھویں لمعہ میں بیان ہو چکے ہیں اور الف کا قاعدہ یہاں بیان فرما رہے ہیں ۱۲

[۴۰] مؤلف کا الف کو خود یعنی اپنی ذات میں باریک فرمانا اس بنا پر ہے کہ یہ حروفِ مستعلیہ میں سے نہیں ہے ورنہ یہ چونکہ اداء و تلفظ میں مستقل نہیں ہے اس لیے تفخیم اور ترقیق میں بھی مستقل نہیں بلکہ حرفِ ماقبل ہی کے تابع ہے ۱۲

[۴۱] پس خلاصہ یہ ہوا کہ سات حروفِ مستعلیہ اور ایک را ان آٹھ حرفوں کے بعد تو الف ہمیشہ پُر ہوگا اور لام میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لفظ اَللّٰہ کا لامؔ ہے اور اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہے تو ایسے لام کے بعد بھی الف پُر ہی ہوگا۔ اور اگر لفظ اَللّٰہ کے لامؔ سے پہلے زیر ہے تو الف باریک ہوگا جیسے لِلّٰهِ بِاللّٰهِ وغیرہ اور باقی انیس حرفوں کے بعد اور ایسے ہی اس لام کے بعد بھی جو لفظ

بارھواں لمعہ۔ ہمزہ کے قاعدوں میں

اس کے بعضے قاعدے تو بادوں ف۱ عربی پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے صرف دو موقع کے قاعدے لکھے دیتا ہوں کہ سب قرآن مجید پڑھنے والوں کو ان کی ضرورت ف۲ ہے۔ قاعدہ ۱ چوبیسویں پارے کے ختم کے قریب ایک آیت میں یہ آیا ہے ءَ اَعْجَمِيٌّ سو اس کا دوسرا ہمزہ ذرا ف۳ نرم کر کے پڑھو اس کو تسہیل ف۴ کہتے ہیں۔ (قاعدہ نمبر ۲) سورہ حجرات کے دوسرے رکوع میں یہ آیا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ سو اس کو اس طرح پڑھو کہ بِئْسَ کے سین پر تو زبر پڑھو اور اس کو بعد کے کسی حرف سے نہ ملاؤ۔ پھر لام جو اس کے بعد لکھا ہے اس کو زیر دے کر بعد کے سین سے ملا دو۔ پھر میم کو اگلے لام سے ملا دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ الاسم کے لام سے آگے پیچھے جو

اللہ کا نہ ہو ہمیشہ باریک ہی ہوگا ۱۲ ف۳ پس جس حرف کے بعد الف واقع ہوگا تو اس الف میں تفخیم بھی اس حرف کے اعتبار سے ہوگی۔ لہٰذا سب سے زیادہ تفخیم اَللہ کے لام کے بعد والے الف میں ہوگی اور سب سے کم لام کے بعد والے الف میں۔ استاد کو چاہیے کہ ادا کر کے بتا دے تاکہ فرق معلوم ہو جائے ورنہ تفاوت کے معنی فرق ہی ہیں ۱۲

حواشی لمعہ دوازدہم

ف۱ اس لیے کہ ہمزہ کے قاعدوں کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمزہ کے اقسام جاننے ضروری ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمزہ اصلی کونسا ہے اور زائد کونسا اور پھر یہ کہ وصلی کونسا ہے اور قطعی کونسا وغیرہ وغیرہ اور یہ چیزیں کتب عربیہ میں ہی بیان کی جاتی ہیں ۱۲۔ ف۲ ان دو قاعدوں کے جاننے کی سب پڑھنے والوں کو اس لیے ضرورت ہے کہ ان موقعوں میں بالعموم قاعدہ کے موافق یاد نہیں ہوتا بخلاف دوسرے موقعوں کے کہ ان میں بادی ہی قاعدہ کے موافق ہوتا ہے اس لیے ان کا قاعدہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ ۱ اور نمبر ۲ کی مزید وضاحت لمعہ نمبر ۶ حاشیہ نمبر ۱ میں دیکھ لی جائے ۱۲ ف۳ یعنی اس طرح کہ نہ تو تحقیق والے ہمزہ کی طرح قوی اور سخت ادا ہو اور نہ اتنا نرم کہ بالکل الف ہی سے بدل جائے بلکہ دونوں کی درمیانی کیفیت پر ادا ہو۔ اور یہ صحیح کیفیت استاد کی زبان سے سننے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے ۱۲۔

ف۴ یعنی اس طرح پڑھنے کو جس کی کیفیت سابقہ حاشیہ میں بیان ہو چکی ہے۔ قاریوں کی بول چال میں اسی کو تسہیل کہتے ہیں اور گو تسہیل اس کے سوا تین کلموں میں اور بھی ہے۔ لیکن چونکہ وہاں تسہیل کے ابدال بھی جائز ہے بلکہ اولیٰ ابدال ہی ہے اور استادوں کو عام طور پر عمل بھی ابدال پر ہی ہے۔ اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے ان کلموں کو بیان نہیں فرمایا ہے ۱۲۔

دو ہمزہ بشکل الف لکھے ہیں اُن[شہ] کو بالکل مت پڑھو۔

تیرھواں لمعہ۔ وقف[لہ] کرنے یعنی کسی کلمہ پر ٹھہرنے کے قواعد میں

اصل فنِ تجوید تو مخارج اور صفات کی بحث ہے جو بفضلہ تعالیٰ بقدرِ ضرورت اوپر لکھی گئی باقی اور تین علم اس فن کی تکمیل[ٹہ] میں ہیں۔ علمِ اوقاف۔ علمِ قراءت۔ علمِ رسم الخط۔ چنانچہ علمِ اوقاف کی

[شہ] اِن دونوں کو بھی اور الفسوق کے شروع میں جو ہمزہ بشکل الف لکھا ہوا ہے اس کو بھی، تینوں کو نہ پڑھو جب ہی میم لام سے مل سکتا ہے جس کے لانے کی متن میں ہدایت کی گئی ہے ۱۲۔

حواشی لمعہ سیزدہم

[لہ] جس طرح قرآن شریف کو تجوید کے ساتھ یعنی صحیح پڑھنا ضروری ہے۔ اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جب قاری کو پڑھتے پڑھتے کسی جگہ ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئے تو اسی طریقے کے موافق ٹھہرے جس طریقے سے عرب ٹھہرتے ہیں۔ اور اُن ہی جگہوں پر ٹھہرے جہاں ٹھہرنے سے ذہن کسی نامناسب اور غلط معنیٰ کی طرف منتقل نہ ہو۔ بس ٹھہرنے کے انہی قاعدوں کو جن میں ٹھہرنے کی جگہوں اور ٹھہرنے کے طریقوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ قاریوں کی اصطلاح (بول چال) میں وقف کے قاعدے کہتے ہیں۔ وقف کے پورے قاعدے اور اس کا پورا بیان تو وقف ہی کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ مگر اس کے نہایت ضروری اور موٹے موٹے مسائل تجوید ہی کی کتابوں میں بیان کیے جاتے ہیں ۱۲

[ٹہ] کیونکہ علم تجوید کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حرف کو کس طرح ادا کرنا چاہیے اور فلاں کو کس طرح اور علم الاوقاف میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا چاہیے اور کہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اور کس کلمہ پر کس طرح ٹھہرنا چاہیے اور کس پر کس طرح اور علم رسم الخط کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بعض کلموں کی رسم اور طرح سے ہے اور پڑھے دوسری طرح جاتے ہیں۔ اور علمِ قراءت میں یہ چیز بیان کی جاتی ہے کہ قرآنی کلمات کو وحی الٰہی نے کس کس طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ تمام مضامین ایک دوسرے سے متعلق ہی ہیں۔ کیونکہ ان میں قرآن کے الفاظ ہی سے بحث کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت ہی مختصر اور بالکل مبتدیوں کے لیے ہے اس لیے اس میں علمِ قراءت کے بیان کی تو مطلقاً گنجائش نہیں۔ اور علمِ رسم کے متعلق جس قدر نہایت ضروری تھا اس کا بیان اجمالاً چودھویں لمعہ میں آگیا ہے اور علمِ وقف کے متعلق بھی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے مؤلفؒ نے بہت ہی مختصر انداز میں نہایت ضروری اور موٹی موٹی چند باتیں فرما دی ہیں اگر طلبہ ان چند باتوں کو بھی یاد کر لیں تو بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں ۱۲

ایک بحث وقف کرنے کے قواعد[۵۳] میں (قاعدہ ۱) جو شخص معنی نہ سمجھتا ہو اس کو چاہیے کہ انہی مواقع پر وقف کرے جہاں قرآن میں نشان[۵۴] بنا ہوا ہے۔ بلا ضرورت بیچ میں نہ ٹھہرے۔ البتہ اگر بیچ میں سانس ٹوٹ جائے تو مجبوری ہے۔ پھر اگر مجبوری سے ایسا ہو تو چاہیے کہ جس کلمہ پر ٹھہر گیا تھا اس سے یا اُوپر سے پھر لوٹا کر[۵۵] اور ما بعد سے ملا کر پڑھے۔ اور اس کا سمجھنا کہ اسی کلمہ سے پڑھوں یا اُوپر سے بدون معنی سمجھے ہوئے[۵۶] مشکل ہے۔ جب تک معنی سمجھنے کی لیاقت نہ ہو شُبہ کے موقع میں کسی عالم[۵۷] سے پُوچھ لے اور ایسی مجبوری کے وقت میں ایک اس بات کا خیال رہے کہ کلمے کے بیچ[۵۸] میں وقف نہ کرے بلکہ کلمہ کے ختم پر ٹھہرے اور یہ بھی جان لو کہ وقف کرنا حرکت پر غلط ہے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا سانس سورۂ بقرہ کے شروع میں بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کے کاف پر ٹوٹ گیا تو اس وقت کاف کو ساکن کر دینا چاہیے زبر کے ساتھ وقف

---

[۵۳] ان قواعد میں سولہ طرح کے قاعدے شامل ہیں۔ وہ بھی جن میں وقف کرنے کا موقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی جن میں وقف کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے ۱۲

[۵۴] کیونکہ یہ نشانات علماء نے قرآن کے معنوں میں غور کر کے عام لوگوں کی سہولت کی خاطر ہی لگائے ہیں اور وہ نشانات یہ ہیں: دائرہ (O) م - ط - ج - ز وغیرہ ۱۲

[۵۵] تاکہ کلام مربوط اور مسلسل ہو جائے۔ نیز درمیان میں ٹھہرنے کے بعد آگے پڑھنے کی صورت میں معنی کے سمجھنے میں غلطی لگ جانے کا جو امکان ہوتا ہے اس سے بھی محفوظ رہے ۱۲

[۵۶] کیونکہ جب تک قرآن مجید کے معنی اور نحوی ترکیب سے واقفیت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اعادہ کا محل معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے معنی سے ناواقف طلبہ کہیں درمیان میں ٹھہر جانے کی صورت میں جب اُوپر سے لوٹائیں تو ان کو چاہیے کہ اسی جگہ سے لوٹائیں جہاں وقف کا نشان بنا ہوا ہو ۱۲

[۵۷] یعنی کسی دُوسرے وقت میں عالم کو اس موقعہ سے اطلاع دے کر آئندہ کے لیے اعادہ کی جگہ معلوم کر لیں۔ ہاں اگر کوئی عالم بروقت میسر آ جائیں تو اس وقت بھی دریافت کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کر لیا جائے کہ جن موقعوں میں وقف کے نشانات دور دور بنے ہوئے ہیں اور ایک نشان سے دُوسرے نشان تک فاصلہ زیادہ ہے کہ ایک سانس میں پڑھا نہیں جا سکتا۔ ان موقعوں کے متعلق کسی عالم سے دریافت کر کے ضرورت کے وقت درمیانی جگہوں سے لوٹانے کے مواقع ضبط کر لیں تو اس سے ہمیشہ کے لیے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے ۱۲

[۵۸] کلمہ کے درمیان وقف کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ نہ اس وقت جب وقف اختیار سے کیا جائے اور نہ اُس وقت جب مجبوری سے کیا جائے۔ مگر چونکہ مجبوری کی حالت میں ایسی باریک باتوں کا عام طور خیال نہیں رہتا اس لیے مولانا نے اس حالت میں خصوصیت کے ساتھ احتیاط کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ۱۲

نہ کریں۔ اسی طرح بے سانس توڑے وقف نہیں ہوتا جیسا کہ بعض لوگ آیت کے ختم پر ساکن تو پڑھتے ہیں مگر بے سانس توڑے دوسری آیت شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی بے قاعدہ ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی مجبوری میں جو کسی کلمہ پر وقف کرو تو وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے۔ اسی کے موافق وقف کرو۔ اگرچہ وہ دوسری طرح پڑھا جاتا ہو۔ پڑھنے کے موافق وقف نہ کریں گے مثلاً اَنَا میں جو الف نون کے بعد ہے وہ ویسے تو پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اگر اس کلمہ پر وقف کیا جائے گا تو پھر اس الف کو بھی پڑھیں گے۔ اور پھر جب اس کلمہ کو لوٹا دیں گے تو اس وقت چونکہ مابعد سے ملا کر پڑھیں گے اس لیے یہ الف نہ پڑھا جاوے گا۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لو اور یاد رکھو۔ اس میں بڑے بڑے حافظ غلطی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) قاعدہ مذکورہ کے اخیر میں جو لکھا گیا ہے کہ وہ کلمہ جس طرح لکھا ہے اس کے موافق وقف کرو، اس قاعدہ سے یہ الفاظ مستثنیٰ ہیں[ف۱۰] اَوْ یَعْفُوَا سورۂ بقرہ کے اکتیسویں رکوع میں اور اَنْ تَبُوْٓءَا سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع میں اور لِتَتْلُوَا سورۂ رعد کے چوتھے رکوع میں اور لَنْ نَّدْعُوَا سورۂ کہف کے دوسرے رکوع میں اور لِیَرْبُوَا سورۂ روم کے چوتھے رکوع میں اور لِیَبْلُوَا سورۂ محمد کے اول رکوع میں اور نَبْلُوَا سورۂ محمد کے چوتھے رکوع میں اور ثَمُوْدَا چار جگہ سورۂ ہود[ف۱۱] سورۂ فرقان اور سورۂ عنکبوت اور سورۂ نجم میں اور دوسرا قَوَارِیْرَا سورۂ دہر کے پہلے رکوع میں ان سب الفاظ میں الف کسی حال میں نہیں پڑھا جاتا۔ نہ وصل میں نہ وقف میں اور لفظ لٰکِنَّا[ف۱۲] خاص سورۂ کہف میں اور اَلظُّنُوْنَا اور اَلرَّسُوْلَا

[ف۹] یعنی ان تینوں باتوں کو (۱) حرف موقوف علیہ کو ساکن کر دینا کیونکہ حرکت کے ساتھ وقف کرنا جائز نہیں البتہ وقف بالروم میں تھوڑی سی حرکت ادا ہوتی ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے (۲) حرف موقوف علیہ پر سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا (۳) جو کلمہ جس طرح لکھا ہو وقف میں اس کو اسی طرح پڑھنا اور ان سب باتوں کا خیال رکھنا وقف میں ہر حالت میں ضروری ہے مجبوری کے وقت میں بھی اور اس وقت بھی جب وقف اختیاراً کیا جائے۔

[ف۱۰] یعنی یہ الفاظ اس قاعدے سے خارج ہیں اور ان کے آخر میں جو الف لکھا ہوا ہے وہ وقف میں بھی نہیں پڑھا جاتا۔

[ف۱۱] اس سورۃ کے چھٹے رکوع میں یہ لفظ تین جگہ آیا ہے مگر یہاں اس سے مراد صرف اِنَّ ثَمُوْدَاْ ہے کیونکہ الف اسی کے آخر میں لکھا ہوا ہے ۱۲

[ف۱۲] یہ اور اس کے بعد والے تمام کلمات اوپر کے قاعدہ کی مثالیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان کا الف گو حالتِ وصل میں نہیں پڑھا جاتا لیکن چونکہ لکھا ہوا ہے اس لیے وقف میں پڑھا جائے گا ۱۲۔

اور السَّبِيلَا یہ تینوں سورۂ احزاب میں اور سَلٰسِلَا اور پہلا قَوَارِيرَا[۱۲] یہ دونوں سورۂ دہر میں اور اَنَا جہاں کہیں آوے تمام قرآن میں ان تمام لفظوں میں بحالتِ وصل الف نہیں پڑھا جاتا اور حالتِ وقف میں الف پڑھا جاتا ہے۔ مگر خاص لفظ سَلٰسِلَا کو حالتِ وقف میں بدون[۱۳] الف پڑھنا بھی مروی ہے یعنی سَلٰسِلْ (قاعدہ ۱۲) جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر وہ ساکن ہے تب تو اس میں کوئی بات بتلانے[۱۴] کی نہیں اور اگر متحرک ہے تو اس پر وقف کرنے کے تین طریقے ہیں۔ ایک تو یہی جو سب جانتے ہیں کہ اس کو ساکن کر دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس پر جو حرکت ہے اس کو بہت خفیف سا ظاہر کیا جاوے اس کو رَوم کہا جاتا ہے اور اندازہ اس کا حرکت کا تہائی حصہ ہے اور یہ زبر میں نہیں ہوتا۔ صرف زیر اور پیش میں ہوتا ہے جیسے بِسْمِ اللّٰہِ کے ختم پر میم پر بہت ذرا سا زیر پڑھ دیا جاوے کہ جس کو بہت پاس والا سُن سکے یا نَسْتَعِیْنُ کے نون پر ایسا ہی ذرا سا پیش پڑھ دیا جاوے اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے نون پر چونکہ زبر ہے یہاں ایسا نہ کریں گے[۱۶] تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس حرکت کا اشارہ صرف ہونٹوں سے کر دیا جاوے یعنی پڑھا بالکل نہ جائے بلکہ اُس حرکت کے ظاہر پڑھنے کے وقت ہونٹ جس طرح بن جاتے ہیں اُسی طرح ہونٹوں کو بنا دیا جاوے اور اس حرف کو بالکل ساکن ہی پڑھا جاوے اور یہ اشمام کہلاتا ہے اور اس کو پاس والا بھی نہیں سُن سکتا۔ کیونکہ اس میں حرکت زبان سے تو ادا ہوتی نہیں۔ البتہ آنکھوں والا پڑھنے والے کے ہونٹ دیکھ کر پہچان[۱۷] سکتا ہے کہ اس نے اشمام کیا ہے اور یہ اشمام صرف پیش میں ہوتا ہے اور زیر اور زبر میں نہیں ہوتا۔ مثلاً نَسْتَعِیْنُ کے نون پر پیش ہے۔ اس پیش کو پڑھا تو بالکل نہیں نون کو ساکن پڑھا مگر ہونٹوں کو نون ادا کرنے[۱۸] کے وقت ایسا بنا دیا جیسے پیش پڑھنے کے

---

[۱۲] کیونکہ دوسرے کا حکم اس سے پہلے ثَمُوْدَا وغیرہ کے ساتھ بیان ہو چکا ہے ۱۲ [۱۳] پس اس میں وقفاً دو وجہیں ہو گئیں۔ بالالف اور بلاالف ۱۲ [۱۴] یعنی کوئی نئی بات ورنہ سانس اور آواز کا توڑ دینا اور رسم الخط کا لحاظ رکھنا یہ باتیں اس حالت میں بھی ضروری ہیں کہ اس صورت کی مثالیں فَانُوْا۔ اَنْفُسَنَا اور عَلَیْہِمْ وغیرہ ہیں کیونکہ ان میں حروف موقوف علیہ یعنی واوٗ۔ الفؔ اور میم پہلے ہی سے ساکن ہیں ۱۲ [۱۶] یعنی رَوم کے ساتھ وقف نہیں کریں گے ۱۲ [۱۷] پس یَعْمَلُوْنَ کے نون میں اور اَلرَّحِیْمِ کے میم میں اشمام نہ ہوگا کیونکہ نون مفتوح اور میم مکسور ہے ۱۲

[۱۸] یعنی ادا کرنے کے فوراً ہی بعد کیونکہ اگر ہونٹوں کو ادا کرنے کے وقت گول کیا جائے گا تو پھر حرکت زبان سے بھی ادا ہو جائے گی اور اشمام میں زبان سے ادا نہیں ہوتی صرف ہونٹوں سے ہی اشارہ ہوتا ہے ۱۲

وقت بن جاتے ہیں یعنی ذرا چونچ سی بنا دی (قاعدہ نمبر ۳) جس کلمہ کے آخر میں تنوین ہو وہاں[۱۹] بھی رَوم جائز ہے مگر حرکت ظاہر کرنے کے وقت تنوین کا کوئی حصہ ظاہر[۲۰] نہ کیا جاوے گا (تعلیم الوقف حضرت قاری عبداللہ صاحب[۲۱] مکی) (قاعدہ نمبر ۴) تاء جو کہ ۃ کی شکل میں گول لکھی[۲۲] جاتی ہے مگر اس پر نقطے بھی دیئے جاتے ہیں۔ اگر ایسی ۃ پر وقف ہو تو وہاں دو باتوں کا خیال رکھو۔ ایک تو یہ کہ اُس کو ہ کے طور پر پڑھو۔ دوسرے یہ کہ وہاں رَوم اور اشمام مت کرو (تعلیم الوقف) (قاعدہ نمبر ۵) رَوم اور اشمام حرکت عارضی[۲۳] پر نہیں ہوتا ہے جیسے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ میں کوئی شخص وَلَقَدْ پر وقف کرنے لگے تو دال کو ساکن پڑھنا چاہیے اس کے زیر میں رَوم نہ کرے کیونکہ عارضی ہے (تعلیم الوقف) اور اس کو بھی عربی[۲۴] والے جان سکتے ہیں۔ تم کو جہاں جہاں شبہ ہو

---

[۱۹] پس مطلب یہ ہے کہ خواہ ایک زیر اور ایک پیش ہو یا دو زیر اور دو پیش دونوں صورتوں میں رَوم جائز ہے اور ضمہ میں رَوم بلکہ اشمام بھی۔ ایک زیر اور ایک پیش کی مثالیں تو متن میں موجود ہیں اور دو زیر اور دو پیش یعنی تنوین کی مثالیں وَهُوَ عَلِيْمٌ اور مِنْ رِّزْقٍ ہو سکتی ہیں ۱۲

[۲۰] یعنی تنوین بالکل حذف ہو جائے گا پس اَلرَّحِيْم اور مِنْ رِّزْقٍ میں اور ایسے ہی نَسْتَعِيْنُ اور وَهُوَ عَلِيْمٌ میں وقف کی صورت میں کوئی فرق نہ ہوگا کیونکہ تنوین کے حذف ہو جانے کے بعد کلمہ مُنَوَّن اور غیر مُنَوَّن دونوں ایک ہی طرح ادا ہوتے ہیں ۱۲

[۲۱] یہ حضرت مؤلف مرحوم کے علم قرأت میں اُستاد ہیں جو مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً و تکریماً میں شیخ القراء تھے۔ پاک و ہند کے اکثر قراء کی سند آپ ہی سے ہو کر آگے پہنچتی ہے ۱۲

[۲۲] یعنی تاء کو تاء مدوّرہ کہتے ہیں اور جو لمبی لکھی جاتی ہے اس کو تاء مطولہ کہتے ہیں۔ تاء مدورہ کی مثال نحل ع ۱۰ میں اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور تاء مطولہ کی مثال اسی سورت کے ع ۱۵ میں وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ہو سکتی ہے پس پہلے موقع میں نِعْمَةِ اللّٰهِ کی تاء کو وقفاً ہا پڑھیں گے اور دوسرے موقعہ میں دونوں حالتوں میں تاء ہی پڑھی جائے گی اور پہلے موقعہ میں باوجود مکسور ہونے کے رَوم بھی جائز نہ ہوگا ۱۲

[۲۳] حرکت عارضی وہ ہے جو اجتماع ساکنین کی وجہ سے پہلے حرف پر آجاتی ہے۔ چنانچہ متن کی مثال میں قد کی دال اصل میں ساکن ہی ہے لیکن جب اس کا اُسْتُهْزِئَ کے ساتھ وصل کیا جاتا ہے تو چونکہ اس کا سین بھی ساکن ہے اس لیے دو ساکنوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے دال پر عارضی طور پر کسرہ کی حرکت آجاتی ہے ۱۲

[۲۴] کیونکہ اس کے جاننے کے لیے کلموں کا الگ الگ ہونا اور ان کے آخری حرف کی حالت کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہ چیز بغیر عربی پڑھے معلوم نہیں ہو سکتی چنانچہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ولقد الگ کلمہ ہے اور اُسْتُهْزِئَ الگ اور ایسے ہی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ قَدْ کے دال کی اصلی حالت سکون ہے

کسی عالم سے پوچھ لو (قاعدہ ۱۶) جس کلمہ پر وقف کرو۔ اگر اس کے آخر حرف پر تشدید ہو تو روم اور اشمام میں تشدید بدستور باقی رہے[۲۵] گی (تعلیم الوقف) (قاعدہ ۱۷) جس کلمہ پر وقف کیا جاوے اگر اس کے آخیر حرف پر زبر کی تنوین ہو تو حالتِ وقف میں اُس تنوین کو الف سے بدل دیں[۲۶] گے جیسے کسی نے فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً پر وقف کیا تو اس طرح پڑھیں گے نِسَآءْ (قاعدہ ۱۸) جس مد وقفی کا بیان گیارھویں لمعہ کے قاعدہ ۱۶ میں ہوا ہے۔ اگر روم کے ساتھ وقف کیا جاوے اُس وقت وہ مد[۲۷] نہ ہوگا۔ مثلاً (اَلرَّحِيْمِ یا نَسْتَعِيْنُ) میں اگر پیش یا زیر کا ذرا سا حصہ ظاہر کریں۔ تو پھر مد نہ کریں گے۔ (تعلیم الوقف)

اُس وقت تک یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ زیر عارضی ہے۔ حاشیہ ۲۳ و ۲۴ کے مضمون سے ملتا جلتا مضمون لمعہ آٹھ حاشیہ ۵ تا ۸ میں بھی بیان ہو چکا ہے ۱۲

ف۲۵ مطلب یہ ہے کہ تنوین کی طرح وقف میں تشدید حذف نہیں ہوتی۔ کیونکہ تشدید کے حذف ہو جانے سے عام طور پر ایک حرف کی کمی ہو جاتی ہے چنانچہ مُسْتَمِرًّا مُسْتَقَرًّا جیسی مثالوں میں رًّا بحالتِ وقف بھی مشدد ہی پڑھی جائے گی اور تشدید کا حذف ہرگز جائز نہیں ہوگا ۱۲

ف۲۶ کیونکہ زبر کا تنوین الف ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے جیسے خَبِیْرًا۔ بَصِیْرًا اور مَنْذِیْرًا وغیرہ کا تنوین پس وصل میں تو تنوین ہی پڑھا جائے گا۔ اور وقف میں وہ تنوین الف سے بدل جائے گا اس لیے کہ وقف رسم کے تابع ہے۔ رہا زیر اور پیش کا تنوین سو وہ چونکہ لکھنے میں نہیں آتا اس لیے وقف میں حذف ہو جاتا ہے جیسے مِنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ اور بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کا تنوین۔ لیکن متن کی مثال یعنی نِسَآءً میں جو الف لکھا ہوا نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہے۔ اور تماثل فی الرسم کی تشریح نصاب کی اگلی کتابوں میں آجائے گی ۱۲

ف۲۷ یہاں مد سے مراد طول اور توسط ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اَلرَّحِيْمِ، نَسْتَعِيْنُ اور تُكَذِّبَانِ جیسے کلمات پر اگر روم کے ساتھ وقف کیا جائے گا تو اس صورت میں ان میں صرف قصر ہی ہوگا۔ طول و توسط نہ ہوں گے۔ کیونکہ طول و توسط اسی صورت میں ہوتے ہیں جب مدہ کے بعد والے حرف کو پورے طور پر ساکن پڑھا جائے اور روم میں وہ پورے طور پر ساکن نہیں ہوتا بلکہ اس کی حرکت کا کچھ حصہ ادا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تعریف میں گذرا ۱۲۔

چودھواں لمعہ۔ فوائدِ متفرقہ[1] ضروریہ کے بیان میں

اور گو ان میں سے بعض بعض فوائد اُوپر بھی[2] معلوم ہو گئے ہیں مگر چونکہ دُوسرے مضامین کے ذیل میں بیان ہوئے تھے۔ شاید خیال نہ رہے اس لیے ان کو پھر لکھ دیا اور زیادہ تو نئے فائدے ہیں۔ (فائدہ ۱): سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ یعنی لٰكِنَّا میں الف لکھا تو ہے مگر یہ پڑھا نہیں جاتا۔ البتہ اگر اس پر کوئی وقف کر دے تو اس وقت پڑھا جائے گا (فائدہ ۲): سورۂ دہر کے شروع میں سَلٰسِلَا یعنی دوسرے لام کے بعد بھی الف لکھا تو ہے مگر یہ بھی پڑھا نہیں جاتا۔ البتہ وقف کی حالت میں الف کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں طرح درست ہے اور پہلے لام کے بعد جو الف لکھا ہے وہ ہر حال[3] میں پڑھا جاتا ہے (فائدہ ۳): اسی سورۂ دہر میں وسط کے قریب قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا دو دفعہ ہے اور دونوں کے آخر میں الف لکھا ہے۔ سو ان کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسری جگہ تو کسی حال میں الف نہیں[4] پڑھا جاتا خواہ وقف ہو یا نہ ہو اور پہلی جگہ اگر وقف کرو تو الف پڑھا جاوے[5] گا اور وقف نہ کرو تو نہیں پڑھا جاوے گا۔ اور زیادہ عادت یہ ہے کہ پہلی[6] جگہ وقف کرتے ہیں، دُوسری جگہ

حواشی لمعہ چہاردہم

[1] فوائدِ متفرقہ ایسے فائدوں کو کہتے ہیں جو کسی ایک مضمون کے ساتھ متعلق نہ ہوں بلکہ ان کے ضمن میں مختلف قسم کے مسائل بیان کیے گئے ہوں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ کسی فائدہ کے ضمن میں تو کسی کلمہ کے الف کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کا حکم بیان کیا ہے اور کسی کے ضمن میں فَرَّطْتُ اور بَسَطْتَ کے ادغام کا حکم بتایا ہے اور کسی کے ضمن میں سکتہ کا مسئلہ بیان کیا ہے وغیرہ وغیرہ اور متفرقہ کے معنی مختلفہ ہی کے ہیں ۱۲

[2] چنانچہ ۱ تا ۶ اس سے پہلے کے مختلف لمعات میں بیان ہو چکے ہیں جن میں سے پہلے تین کا ذکر تیرھویں لمعہ کے شروع میں ہے اور باقی تین کا حوالہ خود متن میں موجود ہے ۱۲

[3] یعنی وقف اور وصل میں مگر وقف سے مراد سَلٰسِلَا کے آخر پر وقف ہے ورنہ اس الف پر تو وقف کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ یہ کلمہ کے درمیان ہے ۱۲

[4] کیونکہ یہ اُن کلمات میں سے ہے جن کا الف باوجود لکھا ہوا ہونے کے وقف میں نہیں پڑھا جاتا اور اس کا بیان تیرھویں لمعہ کے شروع میں لِتَتْلُوَا اور ثَمُوْدَا وغیرہ کے ساتھ آ چکا ہے ۱۲

[5] کیونکہ یہ ان کلمات میں سے ہے جن پر وقف رسم کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا ذکر بھی تیرھویں لمعہ میں لٰكِنَّا اور الظُّنُوْنَا وغیرہ کے ساتھ آ چکا ہے ۱۲

[6] کیونکہ یہاں آیت ہے اور آیت وقف کا سب سے بہتر موقع ہے ۱۲

نہیں کرتے تو اس صورت میں پہلی جگہ الف پڑھو دوسری جگہ مت پڑھو۔ (فائدہ ۴): قرآن میں ایک جگہ امالہ ہے یعنی سورۂ ہود میں جو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا ہے اس کا بیان لمعہ نمبر ۲ قاعدہ ۴ میں دیکھ لو۔ (فائدہ ۵): سورۂ حٰم سجدہ میں ایک جگہ تسہیل ہے ءَاَعْجَمِیٌّ اس کا بیان بارھویں لمعہ کے قاعدہ ۱ میں گذرا ہے دیکھ لو (فائدہ ۶): سورۂ حجرات میں بِئْسَ الِاسْمُ میں اَلِاسْمُ کا ہمزہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اس کے لام کو اس کے سین سے ملا دیتے ہیں۔ اس کا بیان بھی بارھویں لمعہ کے قاعدہ ۲ میں گذرا ہے۔ (فائدہ ۷): لَئِنْ بَسَطْتَّ اور اَحَطْتُّ اور مَا فَرَّطْتُّمْ اور مَا فَرَّطْتُّ میں ادغام ناتمام[7] ہے یعنی طا کو تا کے ساتھ ملا کر مشدد کر کے اس طرح پڑھا جاوے کہ طا اپنی صفت استعلا و اطباق کے ساتھ بدون قلقلہ[8] کے پورا ادا ہو اور تا باریک ادا ہو اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں بہتر[9] یہی ہے کہ پورا ادغام کیا جاوے یعنی قاف بالکل نہ پڑھا جاوے بلکہ قاف کو کاف سے بدل کر اور دونوں کو ملا کر مشدد کر کے پڑھا جاوے (فائدہ ۸): نٓ وَالْقَلَمِ اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ میں نون اور سین کے بعد جو واؤ ہے یَرْمَلُوْنَ کے قاعدہ کے موافق جس کا ذکر دسویں لمعہ کے

---

[7] ادغام ناتمام اور ادغام ناقص ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مطلب دسویں لمعہ میں نون ساکن و تنوین کے احکام کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے یعنی ایسا ادغام جس میں مدغم، مدغم فیہ سے پوری طرح نہ بدلے بلکہ اس کی کوئی صفت باقی رہے۔ چنانچہ نون ساکن و تنوین کا ادغام واؤ اور یا میں اور طا کا ادغام تا میں اسی طرح کا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں نون کی صفت غنہ باقی رہتی ہے اور یہاں طا کی صفت اطباق باقی رہتی ہے اور ادا کرنے کا طریقہ متن میں مذکور ہے۔ رہا کانوں سے سن کر محسوس کرنا اور پھر اس کے موافق ادا کرنا سو وہ استاد کی زبان سے سننے اور اس کے موافق مشق کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور طا کے اس ادغام کی مثالیں قرآن میں یہی چار پائی گئی ہیں جو متن میں مذکور ہیں ۱۲۔

[8] کیونکہ اگر قلقلہ کیا جائے تو ادغام نہ رہے گا۔ بلکہ اظہار ہو جائے گا ۱۲

[9] لفظ بہتر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں ادغام ناقص بھی جائز ہے گو غیر اولیٰ ہے اور ادغام تام کی کیفیت تو متن میں درج ہی ہے۔ اور ادغام ناتمام کی کیفیت یہ ہے کہ قاف کو کاف سے پوری طرح نہ بدلا جائے بلکہ اس کی صفت استعلا کو باقی رکھ کر بغیر قلقلہ کے ادا کیا جائے مَا فَرَّطْتُّ وغیرہ کی طرح ۱۲۔

قاعدہ نمبر ۳ میں آچکا ہے۔ اس واؤ میں ادغام[ف۱۰] ہونا چاہیے مگر ادغام نہیں کیا جاتا۔ (فائدہ نمبر ۹) سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں جو لَا تَاْمَنَّا ہے اس میں نون پر اشمام[ف۱۱] کیا کرو۔ فائدہ نمبر ۱۰ قرآن مجید میں کہیں کہیں سکتہ لکھا ہوا پاؤ گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ذرا ٹھہر جاؤ مگر سانس مت توڑو۔ اور باقی سب قاعدے[ف۱۲] اس میں وقف کے جاری ہوں گے مثلاً سورۂ قیامہ میں ہے مَنْ سکتہ رَاقٍ تو یہ مسئلہ کے موافق مَن کے نون کا را میں ادغام ہو جاتا ہے مگر ادغام نہیں ہوا۔ کیونکہ جب سکتہ کو بجائے وقف کے سمجھا تو گویا نون اور را میں اتصال[ف۱۳] نہیں رہا۔ اس لیے ادغام نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے عِوَجًا سکتہ قَیِّمًا تو اگرچہ عِوَجًا پر وقف نہ[ف۱۴] کریں اور مابعد سے ملا کر پڑھیں تو اخفا نہیں ہوگا۔ بلکہ زبر کی تنوین کو الف سے بدل کر سکتہ کیا جاوے گا اور تمام قرآن شریف میں حفصؒ کی روایت میں کل سکتے چار ہیں۔ ایک۱ سورۂ قیامہ میں، دوسرا۲ سورۂ کہف میں جو کہ مذکور ہے تیسرا۳ سورۂ یٰسین میں مِنْ مَّرْقَدِنَا کے الف پر جبکہ مابعد سے ملا کر پڑھا جاوے[ف۱۵] اور چوتھا۴ سورۂ مطففین میں کَلَّا بَلْ کے لام ساکن پر

[ف۱۰] کیونکہ حضرت حفصؒ جن کی روایت کے موافق ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ انھوں نے ان کلموں کو اپنے اُستاذ سے اظہار کے ساتھ پڑھا ہے ۱۲ [ف۱۱] یعنی نون کی تشدید اور غنہ ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اس طرح گول کر لیا کرو کہ جس طرح پیش کے وقت کیے جاتے ہیں اسی کو اشمام کہتے ہیں اور کیفیت اس کی استاذ کے ہونٹوں کو دیکھ کر ہی معلوم ہو سکتی ہے ۱۲ [ف۱۲] یعنی آواز کا توڑنا متحرک کو ساکن کرنا، زبر کے تنوین کو الف سے بدلنا اور ادغام وغیرہ کا نہ کرنا ۱۲ [ف۱۳] اگرچہ وقف اور سکتہ میں یہ فرق ہے کہ وقف میں سانس توڑ دیا جاتا ہے اور سکتہ میں نہیں توڑا جاتا لیکن آواز چونکہ دونوں میں توڑی جاتی ہے۔ اس لیے ایک حرف کا دوسرے حرف کے ساتھ اتصال جیسے وقف میں نہیں رہتا ایسے ہی سکتہ میں بھی نہیں رہتا۔ اور یہ احکام یعنی ادغام اور اخفا وغیرہ اتصال ہی کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے وقف کی طرح سکتہ میں بھی یہ احکام پیدا نہیں ہوتے

[ف۱۴] پس سکتہ الف پر ہوگا نہ کہ تنوین پر کیونکہ وقف کی طرح سکتہ میں بھی زبر کے تنوین کو الف سے بدلنا ضروری ہے۔ جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۲ میں بیان ہوا ۱۲۔

[ف۱۵] ملا کر قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر یہاں وقف کر دیا جائے تو سکتہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ سکتہ وصل ہی میں ہوتا ہے ۱۲۔

بس ان کے سوا سورۂ فاتحہ[16] وغیرہ میں کہیں سکتہ نہیں۔ (فائدہ نمبر ۱۱): قرآن مجید میں جہاں پیش آوے اس کو واؤ معروف[17] کی سی بُو دے کر پڑھو۔ اور جہاں زیر آوے اُس کو یائے معروف کی سی بُو دے کر پڑھو۔ ہمارے ملک میں پیش کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ مجہول پیدا ہوتی ہے۔ اور زیر کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اگر اُس کو بڑھا دو تو یائے مجہول پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات عربی[18] زبان کے خلاف ہے ایسا مت کرو۔ بلکہ پیش کو ایسا پڑھو کہ اگر اُس کو بڑھا دیا جائے تو واؤ معروف پیدا ہو۔ اور زیر کو ایسا پڑھو کہ اگر اُس کو بڑھا دیا جائے تو یائے معروف پیدا ہو۔ اور زیر کے اس طرح ادا ہونے کو ماہر اُستاد سے سُن لو۔ لکھا[19] ہُوا دیکھنے سے سمجھ میں شاید نہ آیا ہو۔ (فائدہ نمبر ۱۲): جب واؤ مشدّد یا یائے مشدّد پر وقف ہو تو ذرا سختی[20] سے تشدید کو بڑھانا چاہیے تاکہ تشدید باقی رہے جیسے

---

[16] سورۂ فاتحہ میں سکتہ کی نفی اس لیے فرمائی ہے کہ بعض جہلاء اس میں مندرجہ ذیل سات موقعوں پر سکتہ کرتے ہیں ۱ اَلْحَمْدُ کے دال پر ۲ لِلّٰهِ کی ہاء پر ۳، ۴، ۵ مَالِكِ، اِيَّاكَ اور اِيَّاكَ کے کاف پر ۶ اَنْعَمْتَ کی تاء پر ۷ الْمَغْضُوْبِ کی باء پر۔ مگر خوب یاد رکھو کہ ان موقعوں پر سکتہ کرنا بالکل غلط اور لغو ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ فن کی کتابوں میں ان سکتوں سے سختی کے ساتھ رو کا گیا ہے ۱۲

[17] یعنی باریک اور لطیف اور بُو دینے کا مطلب یہ ہے کہ پیش میں واؤ معروف کا اور زیر میں یائے معروف کا اثر ہونا چاہیے۔ اس طرح کہ اگر زیر اور پیش کو کھینچا جائے تو اس سے یائے اور واؤ معروف پیدا ہوں نہ کہ مجہول جیسا کہ کچھ آگے چل کر متن میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے ۱۲

[18] اس کا مطلب یہ ہے کہ عربی میں واؤ اور یائے مجہول کا تلفظ ہے ہی نہیں۔ البتہ فارسی اور اُردو میں معروف اور مجہول دونوں طرح کے واؤ اور یاء پائے جاتے ہیں۔ مثالیں آئندہ حاشیہ میں دیکھو ۱۲

[19] ظاہر ہے کہ کسی حرف کا تلفظ جس طرح سُننے سے سمجھ میں آ سکتا ہے لکھا ہُوا دیکھ کر اس طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ البتہ معروف اور مجہول دونوں طرح کی واؤ اور یاء کی مثالوں میں غور کرنے سے فرق محسوس ہو سکتا ہے۔ واؤ اور یاء معروف کی مثالیں نور، جمیل اور مجہول کی مثالیں مور اور درویش ہو سکتی ہیں ۱۲

[20] کیونکہ سختی سے ادا نہ کرنے کی صورت میں واؤ اور یاء سے پہلے والے ضمہ اور کسرہ میں اشباع ہو جاتا ہے اور واؤ اور یا مخفف ہو جاتے ہیں اور تشدید باقی نہیں رہتی اور تشدید بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں دو حرفوں جتنی دیر لگانی چاہیے۔ پس حرف مشدّد میں دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ ایک یہ کہ مخرج کو کچھ سختی سے ملایا جائے اور دُوسری یہ کہ کچھ دیر تک ملائے رکھا جائے لیکن اس کا بھی خیال

عَدُوٌّ اور عَلَى النَّبِيِّ (فائدہ ۱۳) سورۂ یوسف میں ہے لَيَكُوْنًا[۲۱] مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ اور سورۂ علق میں ہے لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ اگر لَيَكُوْنًا اور لَنَسْفَعًا پر وقف کرو تو الف سے پڑھو یعنی تنوین مت پڑھو (فائدہ ۱۴) چار لفظ قرآن مجید میں ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس پر چھوٹا سا سین لکھ دیتے ہیں اس کا قاعدہ[۲۲] سمجھ لو۔ ایک تو سورۂ بقرہ میں ہے۔ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ دوسرا سورۂ اعراف میں فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ان دونوں جگہوں میں سین پڑھو۔ تیسرا سورۂ طور میں اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ اس میں چاہے سین پڑھو چاہے صاد پڑھو۔ چوتھا سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيْطِرٍ اس میں صاد پڑھو۔ (فائدہ ۱۵) کئی مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں کہ لکھا ہوا تو ہے لا اور پڑھا جاتا ہے لَ۔ پڑھتے وقت ان کا بہت خیال[۲۳] رکھو۔ ایک سورۂ آل عمران میں لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ دوسرا سورۂ توبہ میں وَلَاَوْضَعُوْا تیسرا سورۂ نمل میں اَوْلَاَاذْبَحَنَّهٗ چوتھا والصّٰفّٰت میں لَاِلَى الْجَحِيْمِ۔ پانچواں سورۂ حشر میں لَاَنْتُمْ اَشَدُّ۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کے پندرھویں

ہے کہ تشدید کے اہتمام میں واؤ اور یاء شدیدہ نہ ہوجائیں۔ تشدید اور چیز ہے اور شدت اور چیز ۱۲

[۲۱] لَيَكُوْنًا اور لَنَسْفَعًا کی ظاہری صورت کو دیکھتے ہوئے تو اس فائدہ ۱۳ کا بظاہر کوئی فائدہ کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ زبر کے تنوین کا عام قاعدہ یہی ہے۔ کہ وقفاً اس کو الف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ تیرھویں لمعہ کے فائدہ ۵ میں گذر چکا ہے۔ لیکن حق یہی ہے کہ اس فائدہ کی ضرورت تھی اس لیے کہ ان دونوں کلموں کے آخر میں جو نون ہے وہ نونِ تنوین نہیں بلکہ نون خفیفہ ہے۔ کیونکہ نون تنوین اسم کا خاصہ ہے اور یہ دونوں فعل ہیں مگر ان کا نون عام دستور کے خلاف زبر کے تنوین کی صورت میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے اس بات کا احتمال تھا کہ کوئی شخص کلمہ کی اصل کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں ان پر نون کے ساتھ وقف نہ کردے۔ اس لیے مؤلف ؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وقف چونکہ رسم کے تابع ہے۔ ان دونوں نونوں کی رسم الف سے ہے۔ اس لیے یہاں وقف الف کے ساتھ ہوگا نہ کہ اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون کے ساتھ۔ اور متن میں جس تنوین کے پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ اس تنوین سے مراد نون ہی ہے۔ چونکہ دونوں کا تلفظ ایک جیسا ہوتا ہے اس لیے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کر دیا ہے ۱۲۔ واللہ اعلم۔

رکوع میں لکھا ہُوا ہے اَفَائِنْ اور پڑھا جاتا ہے اَفَئِنْ اور چند مقامات میں لکھا ہُوا تو ہے مَلَاۡئِہٖ اور پڑھا جاتا ہے مَلَئِہٖ اور سورہ کہف کے چوتھے رکوع میں لکھا ہُوا تو ہے لِشَاۡیْئٍ اور پڑھا جاتا ہے لِشَیْئٍ اور بعض جگہ لکھا ہُوا ہے نَبَاۡیِٔ اور پڑھا جاتا ہے نَبَإِیْ ۔

تنبیہ :۔ مذکورہ قاعدے اکثر تو وُہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور جن میں اختلاف ہے میں نے ان میں سے امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قواعد لکھے ہیں۔

---

۵۲۲ اس قاعدے کے سمجھنے کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ متن کی عبارت ہی کافی واضح ہے ۱۲

۵۲۳ یعنی الف مت پڑھو۔ کیونکہ ان کلمات میں الف پڑھنے سے لفظ بالکل غلط ہوجاتا ہے ۱۲

۵۲۴ قرآن مجید کے بعض کلمات کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کئی طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ مثلاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو مٰلِكِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور وَمَا يَخْدَعُوْنَ کو وَمَا يَخْدَعُوْنَ اور وَمَا يُخَادِعُوْنَ وغیرہ وغیرہ۔ بس انھیں اختلافات کو اختلافاتِ قرارت کہتے ہیں۔ جن کو بہت سے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ اور پھر اپنے شاگردوں کو پڑھایا۔ اور پھر صحابہؓ کے شاگردوں نے بھی آگے اِس فن کو یعنی قرارت کے اختلافات کو اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔ صحابہؓ اور تابعین سے جن لوگوں نے قرآن پڑھا اور بعد کے لوگوں کو پڑھایا یُوں تو بہت اور بے شمار ہیں۔ لیکن اُن میں سے سات ایسے مشہور اور ممتاز ہیں۔ جن کو ساری دنیا جانتی ہے۔ ان سات کو آئمہ قرارت یعنی قرارت کے امام کہتے ہیں۔ پھر ان سات میں سے ہر ایک کے بے شمار شاگرد ہوئے ہیں۔ لیکن دو دو شاگرد ہر امام کے ایسے مشہور اور لائق ہوئے ہیں کہ وُہ بھی اپنے اُستادوں کی طرح ساری دُنیا میں مشہور ہیں۔ اِن سات آئمہ میں سے ایک امام عاصمؒ بھی ہیں۔ ان کے دو مشہور شاگردوں میں سے ایک کا نام حضرت امام شعبہؒ اور دوسرے کا نام امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔ اگرچہ ان سب قاریوں کی قرارتیں اور ان کے شاگردوں کی روایتیں آج بھی دُنیا میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ اور عُلماء نے ان میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور حضرت حفصؒ کی روایت ہے۔ اور سارے جہان میں زیادہ تر یہی پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ پس مولانا نے یہ رسالہ انہی حضرت

جن کی روایت کے موافق ہم لوگ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اور انھوں نے قرآن مجید حاصل کیا ہے امام عاصمؒ تابعی سے۔ اور انھوں نے زِرؒ بن حُبیش اسدیؒ اور عبداللہ بن حبیب سُلَمیؒ سے اور اُنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم سے اور ان سب حضرات نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

حفصؒ کی روایت کے موافق لکھا ہے اور جس کلمہ میں ان کا اور دُوسرے قاریوں کا اختلاف ہے۔ وہاں اسی روایت کے موافق لکھا ہے اور آگے حضرت حفصؒ کی سند بیان کی ہے۔ یعنی ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان کیے ہیں۔ جن کے ذریعہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پہنچا ہے اگرچہ اسمائے گرامی زیادہ ہیں لیکن واسطے صرف تین ہیں۔ ہم نے طلبہ کو سمجھانے کی غرض سے متن میں واسطوں پر نمبر لگا دیے ہیں۔

پس امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شاگرد ہیں امام عاصم کوفیؒ کے اور یہ پہلا واسطہ ہیں۔ اور امام عاصمؒ شاگرد ہیں حضرت زِرؒ بن حُبَیش اَسَدی اور حضرت عبداللہ بن حبیب سلمیؒ کے۔ اور یہ دونوں دوسرا واسطہ ہیں۔ کیونکہ امام عاصمؒ نے ان دونوں ہی سے پڑھا ہے۔ اور پھر یہ دونوں شاگرد ہیں پانچ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے یعنی حضرت عثمانؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابی بن کعب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے۔

پس یہ پانچوں صحابہ تیسرا واسطہ ہیں۔ اور باقی ظاہر ہے۔

خاتمہ

چاند کا پورا لمعہ بھی چودھویں رات ہی کو ہوتا ہے۔ ویہاں بھی چودھویں لمعہ کے ختم پر سب مضامین پورے ہو گئے۔ اس لیے یہاں پہنچ کر رسالہ ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور مقبول فرما وے۔ طالب علموں سے خصوصًا بچوں سے خصوص قدوسیوں[۲۵] سے رضائے مولا کی دعا[۲۶] کا طالب ہوں۔

اشرف علی عفی عنہ۔ ۵ صفر سنہ ۱۳۳۴ھ

---

[۲۵] حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی طرف سے نسبت ہے۔ جن کو متوسلین کی فرمائش پر مولانا نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس کا ذکر خطبۃ الکتاب میں ہے۔

[۲۶] محشی پُرتقصیر ابوالاشرف بھی جملہ ناظرین سے بالعموم اور معلّمین و متعلّمین و دیگر خدامِ قرآن سے بالخصوص فلاح دارین اور حسن خاتمہ کی دُعا کا طالب ہے۔ امید ہے کہ ان حواشی سے استفادہ کرنے والے اور ان کا مطالعہ کرنے والے حضرات اپنی دعواتِ صالحہ میں اس ناچیز کو اور ساتھ ہی کتاب کے کاتبوں کو فراموش نہیں فرمائیں گے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ
علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولٰنا محمدٍ واٰلہٖ واصحٰبہٖ
وازواجہ وذریاتہٖ واهل بیتہٖ اجمعین وارحمنا
معھم برحمتك یا ارحم الرّٰحمین۔

تمّت بالخیر

۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۲ھ بروز یک شنبہ۔ بوقت ۱۲ بج کر ۵۵ منٹ (دوپہر)

مُعَلَّمُ التجوید للمتعلم المستفید

(علمِ تجوید کی دوسری اہم اور مفید ترین کتاب)

مُصنّف ۔ حضرت مولانا قاری **محمد شریف** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ کتاب علمِ تجوید کے موضوع پر بالکل نئے انداز اور نرالے طرز کی ہے نہایت جامع اور فن کے جملہ مسائل پر حاوی ہے۔ ہر مسئلہ کو نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں بشکل سوال و جواب سمجھایا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یُوں محسوس ہوگا کہ گویا آپ اپنے مشفق اور مہربان استاد سے فن کے مسائل دریافت کر رہے ہیں اور وہ نہایت شفقت اور خیر خواہی کے جذبہ سے آپ کے سوال کی ایک ایک شق کا جواب دے رہے ہیں۔ اس طرح اس کتاب کے پڑھ لینے سے فن کے تمام مسائل نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ ذہن نشیں ہو جاتے ہیں۔ زبان نہایت سلیس عام فہم طرزِ بیان دِل آویز اور ترتیب نہایت عجیب ہے کہ متعلم ذرا سی محنت سے بآسانی قواعد و تجوید پر عبور حاصل کر سکتا ہے علم و تجوید میں ماہر و کامل بننے اور اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے کتاب کے شروع میں نہایت مفید اور ضروری مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جس میں قرآن کریم کی محفوظیت تلاوت قرآن مجید کے فضائل اور اس کی جمع و تدوین کی تاریخ وغیرہ۔ یہ چیزیں مختصر طور پر بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کی افادیت اور خوبیوں کا پورا پورا اندازہ تو مطالعہ کے بعد ہی ہو سکے گا۔ صفحات ۲۴۸

نوٹ :۔ نصاب کی ترتیب کے لحاظ سے معلم التجوید کا درجہ جمال القرآن کے بعد اور فوائد مکیہ سے پہلے ہے۔ اس لیے اگر جمال القرآن کے بعد اس کو استاد سے پڑھ لیں یا اپنے طور پر مطالعہ کر لیں تو اس سے ان شاء اللہ العزیز فوائد مکیہ کے کما حقہٗ سمجھنے میں بہت ہی آسانی میسر آ سکتی ہے۔